ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

URDU MONTHLY MAGAZINE

January 2026

مُدیرمسئول

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

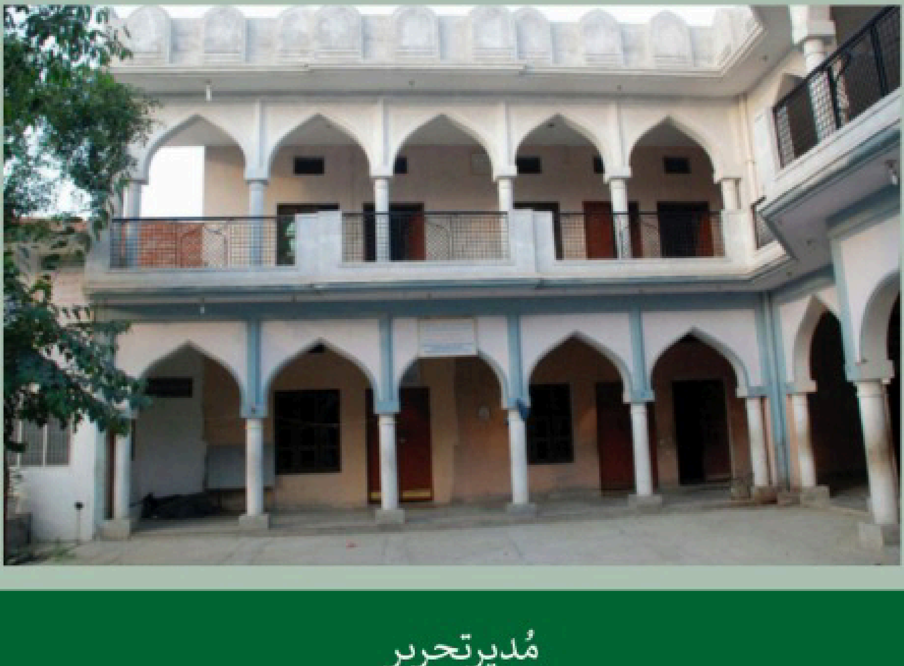

مُدیر تحریر

مولانا محمد صغیر قاسمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن دعوت الی الحق کیرانہ ضلع شاملی کا
علمی، دینی، تحقیقی و اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

تحقیقاتِ اسلامی

جلد ۱۳ رجب المرجب ۱۴۴۷ھ مطابق جنوری ۲۰۲۶ء شمارہ ۷

مدیر مسئول
حضرت مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی
بانی و مہتمم جامعۃ السعادۃ کیرانہ و صدر انجمن دعوت الی الحق

مدیر تحریر
محمد صغیر قاسمی
09897855010
sagheerqasmi@gmail.com

ترسیل کے لیے رابطہ کریں: محمد معظم رحمانی قاسمی 09359602830

موبائل نمبر: 09359602830 ای میل: tahqiqateislami2011@gmail.com

شرح خریداری:
فی شمارہ: ۳۰ روپے سالانہ: ۳۰۰ روپے اعزازی: ۵۰۰۰ روپے

ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ہر طرح کی قانونی کارروائی کا حق صرف عدالتِ کیرانہ ہی کو ہوگا۔

خط و کتابت کا پتہ:
دفتر ماہنامہ "تحقیقاتِ اسلامی"
جامعۃ السعادۃ
محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ کیرانہ ضلع شاملی (یوپی) انڈیا

Add: Office Tahqiqat-e-Islami
Jamiatus Sa'adah, Moh.Ibrahimpura
(Aal Kalan) Shamli Road, Kairana
Distt. Shamli (U.P.) India
A/c No. 3023002100004803
TAHQIQAT-E-ISLAMI
Punjab National Bank, Branch: Kairana

ناشر
تحقیقاتِ اسلامی
۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ ضلع شاملی (یو۔پی) ۲۴۷۷۷۴

پرنٹر پبلشر محمد عرفان نے جیوتی پرنٹنگ پریس منگلا مارکیٹ نزد مالویہ چوک، مظفرنگر سے طبع کرا کے دفتر تحقیقاتِ اسلامی ۲۴۱ آل خورد (ملتانیان) کیرانہ شاملی سے شائع کیا۔

آئینہ

صریر خامہ

کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد ...	محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی	(۳)

درس قرآن

تفسیر سورۂ قلم	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۵)

مقالات ومضامین:

بچوں کے ساتھ محبت وشفقت	مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی	(۹)
نماز کا امتیاز اور اس کی تاثیر	حضرت مولانا محمد منظور نعمانی	(۱۱)
تزکیۂ نفس	محمد شعیب احمد	(۱۴)
نوجوانوں کے لیے اسوہ...	مولانا حافظ زبیر حسن	(۱۸)
اپنی زندگی کا رخ متعین کریں	مولانا محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی	(۲۰)
سنی سنائی بات اور سوشل میڈیا	مولانا عبد المتین	(۲۳)
اسلام میں نکاح کا مربوط نظام	مولانا محمد ابوبکر شیخوپوری	(۲۸)
فحش گوئی	مولانا سحبان محمود	(۳۲)
موسم سرما غنیمت بھی نصیحت بھی	مفتی محمد صادق حسین قاسمی	(۳۴)
منتخبات اکابر	مولانا محمود الحسن مدراسی	(۳۸)
فقہ وفتاوی	ادارہ	(۴۲)

افسانہ

قصہ چہار درویش	میر امن دہلوی	(۴۴)

صریر خامہ

کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

محمد صغیر قاسمی پرتاپ گڑھی

نحمدهٗ و نصلی علی رسوله الکریم امابعد!

آج امت کو جن فکری خطرات نے گھیر رکھا ہے، ان میں سب سے نمایاں خطرہ وہ الحاد و بے دینی ہے جو خاموشی کے ساتھ تعلیمی اداروں، سوشل میڈیا اور جدید فکری بیانیوں کے ذریعے ہمارے گھروں میں داخل ہو رہا ہے اور ہماری نسل نو کو راہ حق سے بھٹکا رہا ہے۔

افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ہم اس خطرے سے بالکل بے پرواہ ہیں، اور تعلیم کے نام پر ہمارا بچہ کیا پڑھ رہا ہے، کیا سیکھ رہا ہے اور کن لوگوں کی فکر و سوچ کو وہ اختیار کر رہا ہے، اس کی ہمیں کوئی فکر نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ آج ہماری نسل نو یہی نہیں کہ اسلام کے بنیادی عقائد اور اسلامی احکامات سے غافل ہے، بلکہ وہ اسلام کے حوالے سے مشکوک ذہنیت رکھتی ہے اور اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات پر وہ معترض ہے۔

یہ ایک تلخ مگر نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ آج الحاد بہت سے ان گھروں میں بھی پہنچ چکا ہے جو کبھی علمی اور مذہبی شناخت رکھتے تھے اور دین دار کہے جاتے تھے۔ اور اس کی وجہ نہ دین کی سختی ہے اور نہ ہی مذہبی ماحول، بلکہ اصل سبب صحیح دینی رہنمائی نہ ملنا اور والدین کی اپنی اولادوں کی دینی تربیت و تعلیم کی فکر نہ کرنا ہے۔ آج ایک عمومی مزاج بن گیا ہے کہ بچے کو اس راستے پر ڈالو، جس سے اس کا مستقبل روشن ہو، بلاشبہ یہ فکر صحیح ہے، نہ ہم اس کے مخالف ہیں نہ اسلام، لیکن مستقبل سے صرف دنیا کی چند روزہ زندگی مراد لینا اور اس کی آخرت کو مکمل طور پر فراموش کر دینا، یہ بنیادی غلطی ہے۔ جب کہ اسلام دنیا و آخرت دونوں کے روشن ہونے کی بات کرتا ہے۔ قرآن کریم نے ہمیں یہی دعا سکھائی ہے:

"رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ" (اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری عنایت کیجیے اور آخرت میں بھی بہتری دیجیے اور ہم کو عذابِ دوزخ سے بچائیے۔)

اسلام نہ ترک دنیا کی تعلیم دیتا ہے اور نہ دنیوی علوم کی مخالفت کرتا ہے، ہاں وہ اس بات کی بالکل اجازت نہیں دیتا کہ ماں باپ، بچوں کی تعلیم و تربیت کے وقت اس بات کو فراموش کر دیں کہ بہر حال سب کو ایک دن مرنا ہے اور اپنے اعمال کا

اللہ تعالیٰ کے دربار میں حساب دینا ہے۔

اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بچوں کو مناسب حد تک دینی تعلیم دی جائے، اسلام کے بنیادی عقائد واحکام سے واقف کرایا جائے، اللہ رب العزت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اس کے دل میں پیدا کی جائے اور مرنے کے بعد کی زندگی کی فکر اس کے اندر بیدار کی جائے، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ہم اس دنیا سے رخصت ہوں تو ہماری اولاد ہماری نماز جنازہ بھی یہ کہہ کر پڑھنے سے انکار کردے کہ ہم کسی خدا کو نہیں مانتے اور ہمارا دین اسلام پر اعتماد نہیں ہے۔

مشہور ملحد و نغمہ نگار جاوید اختر خاندانی طور پر ایک مذہبی گھرانے ہی سے آتے ہیں، لیکن آج یہی نہیں کہ وہ خدا کے وجود کے منکر ہیں، بلکہ منکروں کے پیشوا بنے ہوئے ہیں اور بلا تکلف وہ اس پر مناظرہ کرنے کے لئے بھی میدان میں آ گئے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہم سب کے لیے لمحہ فکر یہ ہے کہ اگر آج اولادوں کی دینی تعلیم وتربیت سے لاپرواہی کی گئی تو کل اس کے نتائج کیا رونما ہوں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تو ایک مثال ہے، ورنہ نہ جانے ایسے ملحدوں کی کتنی تعداد ہے۔

الحاد کی یہ ہوا لڑکیوں میں تو وبا کی طرح پھیلتی جا رہی ہے، جس میں بڑا دخل تو ماں باپ کا ان کی دینی تربیت نہ کرنا، بے حجاب رہنا، غیر محرموں سے پردہ نہ کرنا، مناسب دینی تعلیم کا نہ ہونا، وقت پر شادی نہ کرنا اور فکر آخرت سے بے پرواہ ہونا ہے، لیکن ساتھ ہی آزادی کے ساتھ سوشل میڈیا کا استعمال، اور دشمنان اسلام کا مختلف طریقوں سے ان کو شکار بنانے کے لیے جال بچھانا بھی ہے۔ اس لیے والدین اور سرپرستوں کی ذمہ داری ان کے حوالے سے مزید بڑھ جاتی ہے کہ ان کی نگرانی رکھیں اور مناسب رشتہ ملنے پر شادی کر دیں۔

یاد رہے مسئلہ تعلیم کا نہیں، تعلیم کی سمت کا ہے۔ مسئلہ یہ نہیں کہ بچے اسکول، کالج اور یونیورسٹی جائیں یا نہ جائیں؛ مسئلہ یہ ہے کہ کیا ان کے ہاتھ میں ڈگری کے ساتھ ایمان بھی ہے یا نہیں، ان کی عزت وعصمت بھی محفوظ ہے کہ نہیں، ہمیں اس کی بھی فکر ہونی چاہئے۔ اگر ہم نے آج اس ذمہ داری کو ادا نہ کیا تو کل ہماری ساری تعلیمی کامیابیاں ہمیں اس فکری شکست سے نہیں بچا سکیں گی جس کی طرف علامہ اقبالؒ نے بہت پہلے اشارہ کر دیا تھا:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اللہ تعالیٰ ہماری نسلوں کی ایمان کے ساتھ حفاظت فرمائے۔ آمین۔

سُوْرَةُ الْقَلَمِ

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝ وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوْا إِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَآ أَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ إِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ

پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے، کہ اندر نہ آنے پائے اس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج۔ اور سویرے چلے لپکتے ہوئے زور کے ساتھ۔ پس جب انھوں نے اس باغ کو دیکھا تو بولے کہ ہم تو راستہ بھول گئے، نہیں، ہماری تو قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں جو سب سے بہتر آدمی تھا، اس نے کہا: میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم لوگ رب کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی، ہم ہی تقصیروار تھے۔ پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، بولے ہائے خرابی ہماری ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے۔ شاید ہمارا رب بدل دے ہم کو اس سے بہتر، ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں۔ یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت تو سب سے بڑی ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

تشریح وتفسیر:

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ أَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝

(پھر چلے اور آپس میں کہتے تھے چپکے چپکے، کہ اندر نہ آنے پائے اس میں آج تمہارے پاس کوئی محتاج۔)

یعنی گھر سے نکلے تو چپکے چپکے ایک دوسرے کو ہوشیار کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ دیکھنا آج کے دن کوئی فقیر ومسکین باغ میں گھسنے نہ پائے کہ آ کر کچھ مانگنے لگے۔ یہ ان کے انتہائی بخل کی دلیل ہے، کہ معمولی چیز بھی وہ کسی کو دینا نہیں چاہتے تھے۔

وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ (اور سویرے چلے لپکتے ہوئے زور کے ساتھ) حرد، کے معنی منع کرنے اور غیظ و

غضب دکھانے کے ہیں۔اس میں تیز گامی اور عزم وحوصلہ کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے خیال میں یہ سمجھ کر چلے کہ ہمیں اس پر قدرت ہے کہ ہم کسی فقیر مسکین کو کچھ نہ دیں، کوئی آ بھی جائے تو اس کو دفعہ کردیں۔ان کے دل اعتماد اور حوصلے سے مامور تھے کہ باغ اپنا ہے، پھل تیار ہے اب اس کی فصل حاصل کرنے میں کون سی چیز حائل ہوسکتی ہے۔ ہمارے باپ کے زمانے میں غریبوں اور مسکینوں کو جو کچھ ملا کرتا تھا ہم نے اس کا بھی سدِ باب کردیا ہے۔(روح القرآن)

فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا۟ إِنَّا لَضَآلُّونَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ۝

(پس جب انھوں نے اس باغ کو دیکھا تو بولے کہ ہم تو راستہ بھول گئے، نہیں، ہماری تو قسمت پھوٹ گئی۔)

یعنی جب وہ باغ کی جگہ پر پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ باغ کی بجائے ایک تباہی کا منظر تھا، ایک ویرانہ دکھائی دے رہا تھا، گردشِ آسمانی نے اس طرح اس کا حلیہ بگاڑا تھا کہ اسے پہچان بھی نہ سکے۔ایک دوسرے سے کہنے لگے معلوم ہوتا ہے ہم تاریکی میں راستہ بھول گئے ہیں، لیکن پھر گردوپیش میں غور سے دیکھا، کچھ روشنی پھیلی تو انھیں اصل حقیقت کا احساس ہوا کہ ہم راستہ نہیں بھولے بلکہ باغ ہی اجڑ گیا ہے۔تب نہایت حسرت اور دکھ کے ساتھ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم تو بالکل محروم ہوکے رہ گئے۔کہ ہم نہ جانے کیسے کیسے ارمان لے کے یہاں پہنچے تھے اور ہم نے دلوں میں کیسے کیسے حوصلے باندھ رکھے تھے یہاں تو سب کچھ تباہ ہوچکا ہے۔(ایضاً)

قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ۝ قَالُوا۟ سُبْحَٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ۝

(ان میں جو سب سے بہتر آدمی تھا، اس نے کہا: میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم لوگ رب کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔بولے پاک ذات ہے ہمارے رب کی، ہم ہی تقصیروار تھے)

یعنی ان میں جو سب سے بہتر آدمی تھا اور باپ کی طرح نیک صالح، اللہ کی راہ میں خرچ پر خوش ہونے والا تھا، دوسرے بھائیوں کی طرح بخیل سخت دل نہ تھا، اس نے کہا کہ کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ تم اللہ کے نام کی تسبیح کیوں نہیں کرتے، تسبیح ایک جامع کلمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی بندگی کے پورے مفہوم پر حاوی ہے۔اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میں تمھیں اللہ تعالیٰ ہی کو یاد کرنے، اس کا شکر بجالانے اور اس کی فرمانبرداری کی تلقین کیا کرتا تھا، لیکن تم نے میری ایک بات سن کے نہ دی، آج اس کا انجام دیکھ لیجئے۔فقراء ومساکین سے اپنا مال بچا لینے کی تدبیر کا منشاء یہ تھا کہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تم کو اس کے بدلے اور نہ دے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے وہ خرچ کرنے والوں کو اپنے پاس سے اور زیادہ دیتا ہے۔اب انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اپنی گمراہی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا، کہ ہمارا رب یقیناً ہر طرح کے ظلم سے پاک ہے، اس نے ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ ہم ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔اپنی خوشحالی کے نشے میں اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا بھول گئے۔(مظہری وروح القرآن)

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ ۝ (پھر وہ آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے) یعنی ان

لوگوں نے اپنے جرم کا تو اعتراف کر لیا، لیکن اب الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے کہ تو نے ہی اول ایسی غلط رائے دی تھی جس کے نتیجہ میں یہ عذاب آیا۔ حالانکہ یہ جرم انمیں سے کسی کا تنہا نہیں تھا، بلکہ سب یا اکثر اس میں شریک تھے۔

فائدہ: آج کل اس معاملے میں ابتلاء عام ہے کہ بہت سی جماعتوں کے مجموعی عمل کی وجہ سے کوئی ناکامی یا مصیبت پیش آ جائے تو اس وقت ایک دوسرا عذاب ان پر یہ ہوتا ہے کہ اس کا الزام ایک دوسرے پر ڈالنے میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔

قَالُوا يَٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طَٰغِينَ ۝ عَسَىٰ رَبُّنَآ أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا رَٰغِبُونَ ۝

(بولے ہائے خرابی ہماری، ہم ہی تھے حد سے بڑھنے والے۔ شاید ہمارا رب بدل دے ہم کو اس سے بہتر، ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں۔) یعنی ابتداء ایک دوسرے پر الزام ڈالنے کے بعد جب غور کیا تو پھر سب نے اقرار کر لیا کہ ہم سب ہی سرکش گناہگار ہیں، یہ اعتراف ندامت کے ساتھ ان کی توبہ کے قائم مقام تھا، اسی بناء پر ان کو اللہ سے یہ امید ہوئی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس باغ سے بہتر باغ عطا فرما دیں گے۔

امام بغوی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ جب ان سب لوگوں نے سچے دل سے توبہ کر لی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بہتر باغ عطا فرما دیا، جس کے انگوروں کے خوشے اتنے بڑے تھے کہ ایک خوشہ ایک خچر پر لادا جاتا تھا۔ (مظہری، معارف)

كَذَٰلِكَ ٱلْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ ٱلْءَاخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ ۝

یوں آتی ہے آفت اور آخرت کی آفت تو سب سے بڑی ہے اگر ان کو سمجھ ہوتی۔

اہل مکہ کے عذاب قحط کا اجمالی اور باغ والوں کے کھیت جل جانے کا تفصیلی ذکر فرمانے کے بعد، عام ضابطہ ارشاد فرمایا کہ جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو اسی طرح آیا کرتا ہے اور دنیا میں عذاب آ جانے سے بھی ان کے آخرت کے عذاب کا کفارہ نہیں ہوتا، بلکہ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ اور اس سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔ (معارف)

حاصلِ نصیحت اور قریش کو تنبیہ:

باغ والے اپنے باغ کی سرسبزی، پھلوں کی شادابی اور دوسری فصلوں کی تیاری کی خوشی میں سرشار اور مست تھے۔ اب صرف ان پھلوں کو توڑنے اور فصل کو کاٹنے کا مرحلہ تھا۔ اس کے بعد ہر طرح کی نعمت کی فراوانی ہو جاتی اور خوشحالی میں مزید اضافہ ہو جاتا، انھیں تصورات میں گم غرور و تکبر میں ڈوبے ہوئے اور مستقبل کے خطرات سے بے نیاز صبح صبح اپنے باغ میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ باغ تباہ ہو چکا ہے۔ اور جن نعمتوں کے تصور سے وہ اپنے دلوں میں تکبر کی پرورش کر رہے تھے وہ سب فنا ہو گئی ہیں۔ اب انھوں نے محسوس کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آ چکے ہیں۔

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد روئے سخن قریش کی طرف پھیرتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ تمھیں جب

ہمارے پیغمبر عذاب کی دھمکی دیتے ہیں اور نہایت ہمدردی سے تمھیں اس کی طرف توجہ دلاتے ہیں تو تم کبھی حیرانی اور کبھی برہمی سے پوچھتے ہو کہ عذاب کہاں سے اور کدھر سے آجائے گا۔ ہماری خوشحالیوں کے امکانات بالکل واضح ہیں۔ ہمارے حالات میں کوئی الجھن نہیں۔ ہم شب و روز شادمانی کے شادیانے بجا رہے ہیں۔ اس میں عذاب کے آنے کی کیا تک ہے۔ ایسی ہی بے سروپا باتوں سے گمان ہوتا ہے کہ تم واقعی مجنون ہو۔

قریش کی اس طرح کی باتوں اور اس طرح کے واہموں کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس طرح باغ والوں پر اچانک عذاب آیا اور انھیں دور دور تک اس کا کوئی اندیشہ نہ تھا، اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا تم پر بھی عذاب آئے گا۔ اور جس قوم پر بھی عذاب آیا، اسی طرح آیا۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ عذاب آجانے کے بعد نہ نالہ و شیون کام آتا ہے اور نہ وہ سہارے کام آتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے۔ اور مزید یہ بات بھی یاد رکھو کہ ایمان و عمل کی خرابی اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی تکذیب کی سزا صرف دنیا میں عذاب سے مکمل نہیں ہو جاتی، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑا عذاب جس کی ہولناکی کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا وہ آخرت کا عذاب ہے۔ جو لوگ دنیا میں عذاب کی گرفت میں آئے، آخرت کے عذاب میں اس کی وجہ سے ان کی سزا میں کمی نہیں ہوگی، بلکہ آخرت کا عذاب اپنی جگہ قائم رہے گا۔ آخر میں فرمایا کہ کاش یہ لوگ اس بات کا یقین رکھتے اور آخرت کو بعید از قیاس نہ سمجھتے تو پھر یہ اندھوں کی طرح زندگی نہ گزارتے اور آخرت کے عذاب سے بچ جاتے۔ لیکن ان کی بدنصیبی اور محرومی نے ان کی دنیا بھی تباہ کی اور آخرت بھی تباہ کر ڈالی۔ (روح القرآن)

****

مصلح ملت حضرت مولانا محمد یار صاحب پرتاپ گڑھی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا:

صحابہ کا ایمان اور انکا علم و عمل استدلالی اور نظریاتی نہیں تھا۔ بلکہ مشاہداتی اور تجرباتی تھا۔ انہوں نے شریعت کو عملی شکل میں دیکھا تھا۔ امت کا کوئی طبقہ اس شرف میں انکا شریک و سہیم نہیں۔

نیز آپ فرماتے تھے: کسی مقدمہ کے گواہ اگر غیر معتبر مان لئے جائیں تو مقدمہ خارج ہو جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین شریعت محمدی کے اولین گواہ ہیں۔ تنقیص و تنقید کے ذریعہ اگر ان کو غیر معتبر مان لیا جائے تو شریعت و رسالت باطل ٹھہرے گی۔ العیاذ باللہ

بچوں کے ساتھ محبت وشفقت

مولانا محمد عرفان ثاقب قاسمی

نسل انسانی کی بقااوراس کا روشن مستقبل نسل نو پر منحصر ہے، آج کے بچے ہی کل کا معاشرہ ہیں۔اس لیے ان کی تعلیم وتربیت اوران کی پرورش ماں باپ کا ایک اہم فریضہ ہے۔آج ان کو جیسی تعلیم دی جائے گی اوران کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا جائے گا،کل بڑے ہوکر اسی کے مطابق وہ معاشرہ کے افراد کے ساتھ کریں گے،اس لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ ان کی اچھی تعلیم کا انتظام کیا جائے،وہیں یہ بھی ضروری ہے کہ پیار وشفقت کا معاملہ ان کے ساتھ روا رکھا جائے،اور محبت ویگانگت کے ماحول میں ان کی تربیت کی جائے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہی تعلیم دی ہے نیز خود بھی آپ اسی پر عامل رہے ہیں،جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھَا قَالَتْ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلٰی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ اَتُقَبِّلُوْنَ الصِّبْیَانَ فَمَا نُقَبِّلُھُمْ فَقَالَ النبیُ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَوْ اَمْلِکُ لَکَ اَنْ فَزَعَ اللّٰہُ مِنْ قَلْبِکَ الرَّحْمَةَ۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا (اور جب اس نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کہ وہ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے ہیں) تو کہنے لگا کہ کیا تم لوگ بچوں کو چومتے ہو؟ ہم تو بچوں کو نہیں چومتے،تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کی یہ بات سن کر) فرمایا: کیا میں اس بات پر قادر ہوسکتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں سے جس رحم وشفقت کو نکال لیا ہے اس کو روک دوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کو رحمت وشفقت اور پیار ومحبت سے خالی کردیا ہے تو یہ میرے بس کی بات نہیں ہے کہ تمہارے دل میں رحمت وشفقت اور محبت کا جذبہ پیدا کروں، کہ تم بھی پیار ومحبت کرنے لگو،ورنہ اعلی نفسی اور انسانیت یہی ہے کہ دل میں ہر ایک کے لیے خصوصا بچوں کے لیے جذبہ شفقت ومحبت ہونا چاہئے اوران سے ہر ایک کو پیار کرنا چاہئے۔

حدیث کا مقصد بے رحمی وبے مروتی اور سخت دلی کے خلاف نفرت کا اظہار کرنا اوراس قسم کے لوگوں کو سختی کے ساتھ متنبہ کرنا ہے، نیز اس ارشاد گرامی سے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ دلوں میں رحم وشفقت کے جذبات کا ہونا،اللہ تعالیٰ کا ایک بہترین عطیہ ہے اوراسی کا پیدا کیا ہوا ہے،اگر وہ کسی شخص کے دل سے رحم وشفقت اور محبت ومروت کے جذبات کو نکال دے تو پھر کسی کے بس کی بات نہیں ہے کہ وہ اس شخص کے دل کو ان جذبات کی دولت عطا کردے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل خود یہ تھا کہ جب بھی آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ آپ کی خدمت میں آتیں تو آپؐ کھڑے ہوجاتے اور انکی پیشانی مبارک چومتے اور نشست گاہ سے ہٹ کر انھیں بٹھاتے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اس قدر محبت کرتے نہیں دیکھا، جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم عوالی میں پرورش پاتے تھے، جو مدینہ سے تین چار میل کی مسافت پر ہے، انکے دیکھنے کے واسطے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے پیادہ پا جاتے، گھر میں دھواں ہوتا رہتا، گھر میں جا کر پھر بھی انّا کے ہاتھ سے لے لیتے اور منہ چومتے، پھر مدینہ کو واپس آتے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہاء محبت تھی، آپ فرماتے تھے کہ یہ میرے گلدستے ہیں، حضرت فاطمہؓ کے گھر جاتے تو فرماتے، میرے بچوں کو لانا، وہ صاحبزادوں کو لاتیں آپ ان کے بوسے لیتے اور سینے سے لپٹا لیتے۔

ایک بار اقرع بن حابس جو عرب کے ایک رئیس شخص تھے، خدمت اقدس میں آئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین کا منہ چوم رہے تھے، انہوں نے کہا میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اوروں پر رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

حضرت ابوقتادہؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے کہ اچانک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی امامہؓ کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اسی حالت میں نماز پڑھائی، جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے، اسی طرح پوری نماز ادا فرمائی (بخاری: ۱؍۷۴)

اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات کے موقع پر آپ نے فرمایا تھا ''آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں دل غمزدہ ہو رہا ہے، لیکن زبان سے وہی باتیں کہیں گے جس کو اللہ پسند کرتا ہے''۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نواسی حالت نزع میں تھیں، صاحبزادی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا بھیجا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو وہ نواسی حالت نزع میں ہی آپ کی آغوشِ مبارک میں رکھ دی گئی۔ آپ نے اس کی حالت دیکھی تو آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ اس پر حضرت سعدؓ نے فرمایا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا یہ رحم ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔ (سیرت النبی)

الحاصل بچوں کے ساتھ پیار و محبت کرنا، اور ہر معاملے میں ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ہے۔ اس لیے بچوں کی پرورش میں اس کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔ خواہ وہ والدین ہوں یا اساتذہ۔ بات بات پر بچوں کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ کرنا، مار پیٹ کرنا، گالی دینا غلط حرکت ہے اور یہ خود اس کی غلط فطرت پر دلیل ہے۔

نماز کا امتیاز اور اس کی تاثیر

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ

کامل فلاح یابی کی پہلی شرط اور فلاح پانے والے اہل ایمان کی پہلی لازمی صفت قرآن پاک میں خشوع کی کیفیت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو بتلایا گیا ہے، اسی طرح ایک اور شرط بیان کی گئی ہے ’’محافظۃ علی الصلوٰۃ‘‘ یعنی نمازوں کو سنن و آداب وغیرہ کی رعایت کے ساتھ اہتمام اور پابندی سے ادا کرنا۔ گویا ایمان کے بعد نماز کو ظاہر و باطن کے لحاظ سے بہتر طریقے سے ادا کرنا اور اس کا خاص اہتمام کرنا فلاح یابی کی اوّل و آخر شرط ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم نماز، خشوع کی کیفیت کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق پابندی اور اہتمام سے ادا کریں تو اللہ کی توفیق سے ہمارا ظاہر و باطن سب درست ہو جائے اور فلاح یابی کے لیے جو دوسری صفات، شرط اور مطلوب ہیں ہمارے اندر وہ بھی پیدا ہو جائیں۔ امام مالک نے اپنی مؤطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک مراسلہ اور گشتی فرمان نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں اسلام قلمرو کے تمام والیوں اور ذمہ دار حاکموں کو بھیجا تھا، اس کے الفاظ مجھے یہ یاد رہ گئے ہیں:

’’**إن أهم أمركم عندي الصلاة، فمن حافظها و حافظ عليها فقد حفظ دينه، و من ضيّعها فهو لما سواها أضيع**‘‘۔ (میرے نزدیک تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے، جس نے اس کی نگہداشت اور پابندی کی اُس نے اپنے دین کو محفوظ کر لیا اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ اس کے سوا دوسرے کاموں کو (جو اس کے ذمے ہیں) اور زیادہ خراب و برباد کرے گا۔)

واقعہ یہ ہے کہ دینی نظام میں یا یوں کہیے کہ انسانوں کی دینی اور ایمانی زندگی کے نظام میں نماز کی حیثیت وہ ہے جو ہمارے وجود میں اور ہماری زندگی کے نظام میں قلب اور دل کی ہے، کہ اگر وہ ٹھیک ہے تو ہماری زندگی کا نظام ٹھیک ہے اور اگر اس میں خرابی آئی تو ہماری زندگی کے نظام میں ضرور خرابی آئے گی اور اگر اس کی حرکت بند ہوئی تو زندگی ہی ختم ہو جائے گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ قیامت میں بعض لوگوں کے اعمال کی جانچ اس طرح ہوگی کہ ان کی بس نماز دیکھ لی جائے گی، جس کی نماز صحیح اور ٹھیک ہوگی، اس کے لیے فیصلہ کر دیا جائے گا کہ اس کی زندگی ٹھیک ہے اور یہ نجات اور جنت کا مستحق ہے۔

ہماری اس دنیا میں اس کی مثال یہ ہے کہ پرانے زمانے میں جو صاحب فن اور طبیب اور طب و حکمت کے ماہرین ہوتے تھے، آپ لوگوں نے بھی سنا ہوگا کہ وہ صرف نبض دیکھ کر انسانی جسم کی ساری بیماریوں کا پتہ چلاتے تھے اور ان کا علاج کرتے تھے۔ نبض کا تعلق سارے جسم سے نہیں ہے، بلکہ صرف قلب سے ہے اور اس سے بس قلب ہی کی حالت اور کیفیت کا پتہ چلتا ہے، تو وہ پرانے طبیب نبض کے ذریعے قلب کی حالت کو سمجھ کر سارے جسم کی صحت اور بیماری کے بارے میں

رائے قائم کر لیتے تھے، اس سلسلے میں عجیب وغریب قصے مشہور ہیں اور طبیبوں، حکیموں کے تذکروں میں لکھے ہوئے ہیں، آپ حضرات نے سنے بھی ہوں گے۔

ایک واقعہ خود میرا چشم دید اور ذاتی تجربہ ہے، قریباً پینتالیس سال پہلے کی بات ہے، میرے بڑے بھائی مولوی محمد حسن صاحب جو مجھ سے قریباً دس سال بڑے ہیں، اور الحمدللہ حیات ہیں، گردے کے درد کی تکلیف میں مبتلا ہوئے، مرض نے بہت طول کھینچا، مقامی طور پر جو علاج ممکن تھا، وہ سب ہوا، لیکن مرض نہیں گیا تو علاج کے لیے لکھنؤ آئے، یہاں میڈیکل کالج میں کافی دنوں داخل رہے، کئی دفعہ ایکسرے کیا گیا، ڈاکٹروں نے کہا کہ ایکسرے سے تو گردے میں پتھری کا پتہ نہیں چلتا، لیکن ہماری رائے یہی ہے کہ پتھری ہے اور درد اسی کی وجہ سے ہے اس لیے آپریشن کرانا چاہیے، بھائی صاحب اس کے لیے آمادہ نہیں ہوئے۔ اس کے بعد علاج کے لیے دہلی گئے، میں بھی ساتھ گیا، اس وقت دہلی میں سب سے بڑے طبیب حکیم اجمل خاں مرحوم کے چچازاد بھائی حکیم محمد احمد خاں سمجھے جاتے تھے، جن کے متعلق مشہور تھا کہ نبض سے مرض پہچاننے میں وہ حکیم اجمل خاں صاحب سے بھی فائق ہیں، ہم ان کے مطب میں گئے تو دیکھا کہ مریض صف بہ صف حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، جس کا نمبر آتا ہے وہ ہاتھ بڑھا دیتا ہے، حکیم صاحب اس کی نبض پر اپنی انگلیاں رکھ کر نبض دیکھتے ہیں اور فوراً نسخہ بول دیتے ہیں جو اُن کے شاگرد لکھ کر مریض کے حوالے کر دیتے تھے، کسی مریض کو اپنا حال بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتے، کبھی کسی مریض سے خود ہی کوئی بات پوچھ لیتے ہیں، اور بس چند سیکنڈ میں یہ سب کچھ ہو جاتا ہے، ان کے اس طریقے پر طبیعت مطمئن نہیں ہوئی، ہم لوگ ان کا مطب اور یہ عجیب وغریب طریقہ دیکھ کر واپس آگئے اور اس طرح ان کا علاج کرانے پر دل راضی نہیں ہوا، لیکن ان کی مہارت کی شہرت کی وجہ سے جی یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح ان کا علاج کرائیں۔

''جدید برقی پریس دلّی'' کے مالک ذکی احمد خاں صاحب جو خود بھی دلّی کے بڑے طبیبوں میں تھے حکیم اجمل خاں صاحب کے پرائیویٹ سکریٹری رہے تھے، ان کا حکیم محمد احمد خاں صاحب سے برادرانہ سا تعلق تھا، اور میری اپنی کتابوں کی طباعت کے سلسلے میں ان سے کچھ شناسائی تھی اور علم دین کی نسبت سے وہ میرا لحاظ بلکہ اکرام فرماتے تھے، میں ان کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ حکیم صاحب! مجھے آپ سے ایک بہت نامناسب درخواست کرنی ہے، میرے بڑے بھائی صاحب مریض ہیں، میں علاج کے لیے ان کو یہاں لے کر آیا ہوں، اور حکیم محمد احمد صاحب کا ہم لوگ علاج کرانا چاہتے ہیں، مگر یہ چاہتے ہیں کہ وہ مریض کا کچھ حال سن لیں، حکیم صاحب نے کہا کہ ان کا یہ طریقہ نہیں اور وہ بہت بے ڈھب آدمی ہیں، آپ ایسا کیجیے مختصر حال لکھ کر مجھے دے دیجیے، میں آپ کے ساتھ ان کے مطب میں چلوں گا اور خود ان سے حال بیان کروں گا۔

اگلے دن ہم لوگ ذکی احمد خاں صاحب کے ساتھ ان کے مطب میں پہنچ گئے، بھائی صاحب وہاں کے قاعدے کے مطابق مریضوں کے حلقے میں بیٹھ گئے، جب ان کی باری آئی حکیم محمد احمد صاحب نے نبض پر ہاتھ رکھا اور فوراً نسخہ بول

دیا، جس میں صرف دو دوائیں تھیں، جو مجھے اب تک یاد ہیں، برگ کسوندی، فلفل سیاہ۔ حکیم ذکی احمد خاں صاحب۔ جو پیچھے بیٹھے تھے انھوں نے کہا ان مریض کے بارے میں مجھے کچھ کہنا ہے۔ حکیم صاحب بولے فرمائیے! حکیم ذکی احمد خاں صاحب نے کہا کہ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ گردے میں پتھری ہے۔ حکیم محمد احمد خاں صاحب نے زور سے ڈانٹ کر کہا ''غلط کہتے ہیں، نبض نہیں کہتی''۔ بالکل یہی ان کے لفظ تھے، انھوں نے دوبارہ نبض بھی نہیں دیکھی اور نسخہ وہی رہا، برگ کسوندی اور فلفل سیاہ۔ کسوندی ایک جھاڑی ہے جو جنگل میں ہوتی ہے اس کے دو پتے اور سیاہ مرچ کے سات دانے، بس یہی نسخہ تھا، اللہ کی شان کہ اسی سے بھائی صاحب کو اُس وقت صحت ہوگئی۔ میں عرض کر رہا تھا کہ نبض کا تعلق صرف قلب سے ہے تو سمجھنا چاہیے کہ محمد احمد صاحب نے نبض ہی سے معلوم کرلیا کہ قلب کی وہ حالت نہیں ہے جو گردے میں پتھری کی صورت میں ہونی چاہیے، اسی لیے انھوں نے یقین کے ساتھ کہہ دیا ''گردے میں پتھری نہیں ہے، نبض نہیں بتلاتی''۔

بس یوں ہی سمجھئے کہ نماز دینی زندگی کے نظام کا قلب ہے اگر وہ خشوع کے ساتھ ادا ہوتی ہے اور اس کے بارے میں جو احکام ہیں اور جو اُس کے شرائط اور آداب ہیں ان کا اہتمام کیا جاتا ہے تو دین کا قلب درست ہے، دینی اعمال میں یہ شان صرف نماز کی ہے، اس لیے ان آیتوں میں کامل فلاح اور حصولِ جنت کا جو منشور فرمایا گیا ہے اس میں سب سے پہلے بھی نماز کی بات کہی گئی ہے اور سب سے آخر میں بھی نماز کے لیے فرمایا گیا ہے۔ ''**والذین ھم علی صلوٰتھم یحافظون**''

تو جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا نماز کی محافظت اور اس کے اہتمام میں یہ سب داخل ہے کہ اس کے لیے طہارت اور وضو اور لباس وغیرہ کا وہ اہتمام کیا جائے جو شریعت میں بتلایا گیا ہے، اگر کوئی عذر اور مجبوری نہ ہو تو جماعت سے اور مسجد میں ادا کی جائے اور جو کچھ اس میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے ارکان و سجود وغیرہ کے ادا کرنے کا جو صحیح اور مسنون طریقہ ہے اس کو اہتمام سے سیکھا جائے اور اپنے امکان کی حد تک سنت کے مطابق بہتر سے بہتر طریقے پر نماز ادا کرنے کی کوشش کی جائے، حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**صلوا کما رأیتمونی أصلی**''، تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو، تو یہ باتیں ''**وھم علی صلاتھم یحافظون**'' میں آگئیں۔

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے ''**اولئک ھم الوارثون، الذین یرثون الفردوس، ھم فیھا خلدون**''، یعنی وہ اہل ایمان جن میں یہ صفات ہوں جن کا اوپر کی آیتوں میں ذکر کیا گیا، وہ نماز خشوع کی کیفیت کے ساتھ ادا کرتے ہوں، فضولیات ولغویات سے بھی الگ رہتے ہوں اور اپنے نفس واخلاق کا تزکیہ کرتے ہوں، شہوتِ نفس کا تقاضا پورا کرنے میں اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کی پابندی کرتے ہوں اور امانتوں اور ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور عہد معاہدوں کے پورا کرنے کا اہتمام رکھتے ہوں اور اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہوں تو یہ اہل ایمان ''جنت الفردوس'' کے وارث ہوں گے وہ ان کی میراث ہے ''**اولئک ھم الوارثون، الذین یرثون الفردوس**'' حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ جنت میں مختلف درجے اور طبقے ہیں اور ''فردوس'' اس کا ممتاز اور اعلیٰ درجہ ہے۔

تزکیۂ نفس

سوچ اور خیال کی آوازوں پر قابو کیسے پایا جائے؟

محمد شعیب احمد

خیالات وتصورات وافکار کی اہمیت وحیثیت: نظامِ دہر کا جتنا بھی پھیلاؤ ہے، سارے افعال واعمال کی جتنی جیسی تخریبی یا تعمیری شکلیں صورتیں ہیں، ان سب کے پیچھے انسانی خیالات وتصورات وافکار کے سوا اور کیا ہے؟ بلکہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

ای برادر تو ہمیں اندیشہ ای — مابقِیَ اُستُخوان و رِیشہ ای

''یعنی اے دوست! تو کچھ بھی نہیں ہے سوائے ''خیال'' کے اور باقی جو کچھ ہے، وہ صرف ہڈیاں گوشت پوست ہے، بس!''

آپ کے خیالات وتصورات وافکار آپ کی شخصیت کی تعمیر وتخریب میں Decisive Role Play کرتے ہیں، آپ کی سیرت شخصیت کے Building Blocks کہہ لیں، وہ آپ کے خیالات وتصورات ہی ہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ سنیے کہ:

گر گُل است اندیشۂ تو گلشنی — وَر بُوَد خاری تو ہمہ گُلخَنی

یعنی ''اگر تیرے خیال میں پھول ہے تو تو گلشن بن جائے گا اور اگر تو خار ہی کا خیال تصور کرتا رہے تو تو ایسی بھٹی ہے جو ہمہ وقت جلتی سلگتی رہے گی۔''

خیالات وتصورات کی حیثیت بیج اور جڑ کی سی ہے اور سارا پھیلاؤ نظامِ دہر کا اسی بیج اور جڑ سے پھوٹنے نکلنے والی شاخیں، تنے اور پھل ہیں۔ شاخوں، تنوں، پھلوں کی اصلاح، اصلاحِ بیج اور جڑ پر موقوف ہے، نہ کہ برعکس! بناؤ بھی خیالات ہی سے اور بگاڑ بھی۔ لہٰذا خیالات وتصورات کی اصلاح وتربیت سب سے زیادہ Crucial اور ضروری ہے اور صورتِ حال یہ ہے کہ افکار وتصورات وخیالات ہی سب سے زیادہ غیر تربیت یافتہ اور غیر اصلاح شدہ ہیں!

جدید معالجینِ نفسیات کی مساعی کا مختصر جائزہ: طبِ جدید کے نفسیاتی ذہنی معالجات کا خلاصہ یہ ہے کہ خیالات وتصورات کی رَوکو روکنا ادویات کا نشہ پلا کر یا Counselling کے نام پر چند خوش نما الفاظ اور طفل تسلیوں کے دھوکوں اور ڈھکوسلوں کے ساتھ۔ ہر آنے والے دن کی ابتدا ایک نئے نفسیاتی طریقِ علاج سے ہوتی ہے اور انتہا اس طریق کی ناکامی پر۔ چارہ گروں کی چارہ گری اور معالجین کے طرز ہائے علاج کی ''غلطی ہائے مضامیں مت پوچھ'' کہ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' کے مصداق بگاڑ بیش از بیش ہوتا چلا گیا۔

حکمتِ یونانیاں یا حکمتِ ایمانیاں: اس کا علاج حکمتِ یونانی میں ڈھونڈ نا لاحاصل ہے، حکمتِ ایمانی میں تلاش کیجیے:

چند خوانی حکمتِ یونانیاں　　　　حکمتِ ایمانیاں را ہم بخواں

''تو کب تک یونانیوں کی حکمت پڑھتا رہے گا، اہلِ ایمان کی حکمت کا بھی مطالعہ کر۔''

''حکمتِ ایمانیاں'' کے ایک ماہر حکیم، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وضع کردہ اُصولِ اصلاحِ نفسیات کو سیکھنے سکھانے کی ہمارے عہد میں شدید ضرورت (Sheer Need) ہے، تاکہ ان اصول وقواعدِ نفسیات کی روشنی میں مجتہدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر امراضِ نفسیات کے علاج کی نیو رکھی جائے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کام کو آگے بڑھایا جائے۔ یورپی اقوام نے اپنے مفکرین کی تعلیمات پر اس قدر کام کیا ہے کہ آپ صرف Sigmund Freud کی تعلیمات پر لکھے گئے Research Articles کی فہرست ہی ملاحظہ کرلیں کہ وہ گنتی میں کس قدر ہیں، لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس قدر قیمتی تعلیمات حجاباتِ مختلفہ کے پیچھے مستور ہوگئیں اور اس محقق نفسیات کی تعلیمات پر محنت نہیں کی گئی۔

یکسوئی اور اطمینانِ قلب کی اہمیت: صوفیاء کے نزدیک یکسوئی اور جمعیتِ خاطر کا حصول کس قدر اہم ہے اور اس کی خاطر کس قدر اہتمام اُن کے ہاں پایا جاتا ہے کہ بعض صوفیہ نے جوگیوں تک سے ایسی Techniques سیکھی ہیں، جن کا مقصد حصولِ یکسوئی اور وساوس وخواطر سے نجات تھا، جیسا کہ حبسِ دم، شغلِ انحد وغیرہ۔ اگرچہ بعض متقدمین صوفیہ نے بعض وجوہ سے انہیں ترک کردیا ہے، ضعفِ ہمت وضعفِ قویٰ کے باعث، لیکن حقیقت الامر یہ ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ انتشارِ ذہنی وفکری بڑھتا ہی چلا گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اسبابِ انتشارِ ذہنی میں بھی شدید ترین اضافہ ہورہا ہے اور ہر نیا دن اسبابِ انتشارِ ذہنی میں ایک نیا اضافہ کرتا ہے، آج ان اشغال کی Technology کے بجائے Alternative Technology کو Introduce کروانے کی ضرورت ہے۔

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ: طبِ جسمانی وروحانی دونوں میں اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوگا۔

درویشی تصحیحِ خیال است: حضراتِ نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے حضرت خواجہ خورد رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ: ''درویشی تصحیحِ خیال است''، یعنی درویشی بس خیال کی درستی ہے۔ ذہن ودل کی لوح وتختی پر سے سب ''غیر'' محو ہوکر مٹ کر صرف نامِ خدا رہ جائے، مقصود سب صوفیاء کا یہی رہا ہے، گرچہ اس کے حصول کے طریق میں اذواق وامزجہ وحالات کے تفاوت سے اختلاف رہا ہے۔

قانونِ تجاذُب: پہلے ایک اصول قانونِ تجاذب Law of Attraction سمجھنے کی ضرورت ہے، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ جب ایک مثبت وایجابی خیال (Positive Thought) یا منفی یا سلبی خیال (Negative Thought) ذہن میں کام کرنا شروع کرتا ہے، تو اسی خیال کے مماثل خیالات کی کشش ذہنِ انسانی میں ایک خودکار نظام کے تحت شروع ہوجاتی ہے اور ایک خیال دوسرے مماثل ملتے جلتے خیال کو کشش کرنا شروع کردیتا ہے۔

Technology جس (ROT Method) :Replacement of Thoughts یا Technique کو متعارف کروانے کی جسارت کر رہا ہوں، اس کا نام احقر الانام کے نزدیک ROT Method ہے، یعنی Replacement of Thoughts کا طریقہ۔ اس ROT Method کو ایک مثال سے سمجھیے کہ فرض کیجیے، آپ کے ذہن میں ایک پریشان کُن، اذیّت رساں خیال آتا ہے کہ فلاں شخص نے آپ کو بہت تکلیف پہنچائی ہے، بہت اذیتیں دی ہیں، بہت رنج دکھ پہنچائے ہیں، وغیرہ، جیسے ہی یہ خیال آتا ہے قانونِ تجاذُب کے زیرِ اثر اسی کے مماثل خیالات آپ کے ذہن میں جمع ہونا شروع ہوجاتے ہیں، پھر یہی خیالات اپنی تعداد بڑھاتے بڑھاتے ایک لشکر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور آپ پر ان خیالات وخواطر کی لشکر کشی کا آغاز ہوتا ہے، نتیجتاً آپ میں اس شخص کے لیے غم وغصہ وکینہ پیدا ہوجاتا ہے اور اس کے اثرات آپ کے اقوال وافعال، تقریر یا تحریر کی صورت میں ظاہر ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور آپ کی سیرت شخصیت ان رذائلِ باطنیہ کی کالک سے سیاہ ہوجاتی ہے۔

ROT Method یہ ہے کہ جیسے ہی پہلا خیال اس شخص کے متعلق آیا جس نے آپ کو تکلیفیں پہنچائی ہیں، اسی وقت اس خیال کو دعا سے Replace کرنا ہے اور حق تعالیٰ سے ذہنی فکری طور پر پناہ طلبیوں میں لگ جانا ہے کہ اے اللہ! مجھے جو تکلیفیں پہنچی ہیں، ان کے اثر کو مجھ سے دور کر دیں، اور اے اللہ! جس شخص نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے، آپ اس پر رحم فرمایئے، وغیرذٰلک۔ جیسے ہی آپ نے حق تعالیٰ کی جانب رجوع کیا، دعا شروع کی، ایک فقیرِ مطلق ایک غنیِ مطلق کے سامنے آگیا، ''فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ'' کے پیشِ نظر حق تعالیٰ پیشِ نظر ہوگئے، سب غیر پسِ نظر۔

''اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ'' کا راز فاش ہوا، رحمتِ الٰہیہ متوجہ ہوئی، سب ''افکارِ باطل'' اور ''اغیارِ دل'' دور ہوئے۔ حق تعالیٰ کے خیال سے بڑھ کر ایجابی خیال کس کا ہوسکتا ہے۔ اس نورانی خیال کے آگے کون سی ظلمت ٹھہر سکتی ہے۔ ظلمت کہتے ہی عدمِ نور کو ہیں، جہاں نور ہوگا وہاں ظلمت کا سوال ہی نہیں اور جہاں ظلمت ہے تو یہی عدمِ نور کا ثبوت ہے۔

دعا جو خیال میں مانگ رہا ہے، اب Universal Law of Attraction کے زیرِ اثر مزید مماثل خیالاتِ دعا مجتمع ہونا شروع ہوگئے، آغازِ کار میں بہ تکلف بہ جبر Forcefully اس سلبی خیال کو ایجابی خیال سے Replace کرنا پڑے گا، لیکن کچھ عرصہ بعد یہ کام میکانکی طور پر ذہن خود کرنا شروع کر دے گا، یہاں تک کہ ایسا شخص اس حالت کو Achieve کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے کہ اس کے ذہن میں خیالاتِ فاسدہ اور اوہامِ باطلہ کی جگہ حق تعالیٰ سے مستقل اور مسلسل ''مانگنا'' چلتا رہتا ہے، یہاں تک کہ یہ اسے روک بھی نہیں پاتا، جیسا کہ پہلے سلبی خیالات اور اوٹ پٹانگ خیالات کی رَو اس کے قابو میں نہیں تھی اور اب حق تعالیٰ سے دعائیں مانگنے کا غیر مختتم سلسلہ جاری ہوجاتا ہے۔

یہاں ایک واقعہ ضمناً عرض کر دوں کہ ایک بزرگ اس قدر درود شریف پڑھتے تھے کہ قضائے حاجت کے لیے جب جاتے تھے تو زبان دانتوں کے نیچے دبا کر رکھتے تھے کہ کہیں زبان سے درود شریف کی ادائیگی نہ شروع ہوجائے اور

یہاں یہ معاملہ ہوگا کہ ہر حالت میں ذہن دعاؤں میں مشغول رہے گا، اسے آپ روک ہی نہیں پائیں گے۔

ذکرِ دوام اور ملکۂ یادداشت کی یہ ایسی شکل ہے جو بلا کسی شغل کی مشق و مزاولت کی دقتوں کے بہ آسانی حاصل ہوجاتی ہے اور ایسا شخص سراپا دعا بن جاتا ہے! حق تعالیٰ کی عنایتیں، رحمتیں اس عاجز و درماندہ سراپا دعا سراپا کشکول کی دعائی حالت، منگتی حالت کی جانب یوں بڑھتی ہیں جیسے پانی نشیب کی طرف تیزی سے بڑھتا ہے۔

کیا اس حقیقت کو نُطقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ادا نہیں کروایا گیا کہ جس کے لیے دعا کا دروازہ کھول دیا گیا تو اس کے لیے رحمت کے دروازے کھول دیے گئے: ''مَنْ فُتِحَ لَهُ مِنْكُمْ بَابُ الدُّعَاءِ فُتِحَتْ لَهُ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔''

دوسری مثال فرض کریں، آپ پر مصائب اور پریشانیوں کا ہجوم ہے، آپ کے ذہن میں ایک پریشانی اور مصیبت کا خیال خطور کرتا ہے اور پھر قانونِ تجاذب Like Attracts Like کے اصول سے پریشانیوں اور مصیبتوں کے خیالات کی ایک فوج کو آپ کے ذہن میں جمع کرنا شروع کردیتا ہے، جس کا نتیجہ یاس، نااُمیدی اور حق تعالیٰ سے بدظنی کی صورت میں نکلتا ہے۔ ROT Method کی مدد سے جیسے ہی پریشانی یا مصیبت کا آپ کو خیال آئے، فی الفور حق تعالیٰ کے ساتھ باطنی مکالمہ شروع کردے کہ اے اللہ! میں کمزور بہت کمزور، میں عاجز و درماندہ ان پریشانیوں مصیبتوں کی تاب کہاں لاسکتا ہوں۔ اس عمل کو ہر مرتبہ جب بھی ایسے خیالات کی یُورِش ہو، دہراتا رہے۔ ایک معتد بہ مدت کے بعد پریشانی اور مصیبت کا یہ خیال Auto Suggestion کے طور پر Replace ہوتا رہے گا اور آپ حق تعالیٰ کی پناہ پکڑتے رہیں گے، یہی راز ہے تعوذ کا، قرآن کریم میں جہاں جہاں تعوذ یعنی پناہ طلبی کی تعلیم دی گئی ہے، اس میں یہی رمز ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ذوقِ دعا ہے اس کی Cultivation اسی طریق سے ان شاء اللہ ہوجائے گی اور اس کے اثمار کیا ہوں گے، ان کا خطرہ کسی کے ذہن و قلب پر نہیں گزرا۔

ROT Method کے نتائج و ثمرات بہ صورتِ اشعار: اس طریق پر عمل کے نتائج کے متعلق چند اشعار میں کچھ اشارات موجود ہیں، یعنی کبھی زبانِ حال سے یہ کہے گا کہ:

زندہ کُنی عطائے تُو وَر بِکُشی فدائے تُو　　دل شدہ مبتلائے تُو ہر چہ کُنی رِضائے تُو

کبھی دیوانہ وار یہ کہہ گزرے گا کہ:

نشود نصیبِ دشمن کہ شَود ہلاکِ تَیغت　　سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کبھی امیر خسرو کا ہم زبان ہو کر کہے گا:

بہر قتلم چُو کَشد تَیغ نہم سر بہ سجود　　اُو بہ نازے عجبے من بہ نیازے عجبے

کبھی یہ دہرائے گا کہ:

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را　　ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

نوجوانوں کے لیے
اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مولانا حافظ زبیر حسن

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس جوان نے کسی بوڑھے شخص کی اس کے بڑھاپے کی وجہ سے تعظیم وتکریم کی تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے کے وقت ایسے شخص کو مقرر کرے گا جو اس کی تعظیم کرے گا۔(رواہ الترمذی)

زمانہ جوانی میں انسانی قوتیں عروج پر ہوتی ہیں، سوچنے کی طاقت، عمل کی قوت، غصہ کی طاقت اور ہر قسم کی قوت پر اسے ناز بھی ہوتا ہے، اس لیے جوانی میں انسان سرکشی کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے، لیکن اگر انسان زمانہ جوانی میں سنبھل جائے تو یہ واقعی مثالی جوان ہوتا ہے۔ غالباً اسی لیے شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے فرمایا: در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری

جوانی میں پرہیزگاری کی زندگی گزارنا پیغمبروں کا طریقہ ہے اور واقعی بہت بڑا کمال ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور بہت سے کمالات میں سے ایک کمال اللہ تعالیٰ نے یہ بھی عطا فرمایا تھا کہ جوانی ہی میں آپ نے اپنی صلاحیتوں اور خوبیوں کا لوگوں سے اعتراف کروالیا، نبوت ملنے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس سالہ زندگی قوم کے درمیان گزار چکے تھے، اس زندگی کی پوری تصویر اور اس کا ہر رخ آج تک محفوظ ہے۔ یہ چالیس سالہ زندگی سچائی، دیانت اور خدمت خلق جیسے اعلیٰ اوصاف سے بھرپور ہے، جس کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں نے بھی صادق اور امین کے لقب سے پکارا۔ جب نبوت ملی تو آپ نے اپنی سچائی کے ثبوت میں اسی چالیس سالہ زندگی کو پیش فرمایا۔ آپ کی جان کے دشمن آپ کے دین اور دعوت کے دشمن کو بھی اس بات کی ہمت نہ ہوسکی کہ آپ کی سابقہ زندگی پر انگلی اٹھاسکے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا معجزہ آپ کی جوانی کی حالت میں پاکیزہ زندگی ہے، ایسی صاف ستھری اور اخلاق سے آراستہ زندگی جس کے دوست ودشمن معترف ہیں۔ آپ کے چچا ابوطالب کے الفاظ ہیں کہ میں نے اپنے بھتیجے کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا اور اسے کبھی گلیوں میں لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

آج ہمارے معاشرے میں نوجوان کے سب سے زیادہ عیب اس کے رشتہ داروں کو معلوم ہوتے ہیں۔ اس لیے معاشرے کے بزرگ آج کے نوجوان پر کوئی ذمہ داری ڈالنے سے گریز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جوانی کے زمانے میں حجر اسود کی تنصیب جیسے ذمہ دارانہ کارنامے انجام دیے۔ جب بارشوں کی وجہ سے سیلاب آیا، کعبہ کا کچھ حصہ گر گیا، مختلف قبیلوں نے مل کر دوبارہ تعمیر کیا، حجر اسود لگانے کا سوال اٹھا تو فساد پیدا ہونے کا خطرہ ہوا۔ طے ہوا کہ جو سب سے پہلے کل صبح بیت اللہ میں داخل ہو وہ رکھے گا، سب نے پہلے پہنچنے کی کوشش کی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے سے موجود تھے، آپ نے

بڑی عمدہ تدبیر کے ساتھ حجر اسود رکھوایا اور ایک بہت بڑا مسئلہ آپ نے جوانی میں حل فرمایا۔

جوانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم محبت اور رحمت کی مثال تھے، کسی کی تکلیف کو دیکھ کر مدد کے لیے تیار ہو جاتے، ایک بڑھیا کو دیکھا، بوجھ اٹھائے جا رہی تھیں، کمر بوجھ تلے جھکی جا رہی تھی، پتھر دل لوگ ہنس رہے تھے، آپ نے آگے بڑھ کر بڑھیا کا بوجھ اپنے کندھے پر رکھا اور لوگوں سے کہا ایک کمزور بڑھیا کا مذاق اڑانا جوانی کا شیوہ نہیں۔ مردانگی یہ ہے کہ اس کا بوجھ بٹا دو۔ جوانی میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت کا کافی حصہ بوڑھوں، بیماروں اور معذور لوگوں کی دیکھ بھال پر صرف فرماتے تھے۔ ان کے چھوٹے کام کرتے۔ ایک روز ایک قریشی سردار نے کہا کتنی شرم کی بات ہے تم اپنے خاندان کو بٹہ لگاتے ہو، تم اونچے گھرانے کے چشم و چراغ ہو اور اس طرح غریبوں کے کام کرتے ہو؟ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک میرا پردادا ہاشم قریش کا سردار تھا، مگر وہ بھی سب کی خدمت کیا کرتے تھے۔

آپ ﷺ کو یتیموں سے بھی بڑی محبت تھی، ایک بچے کو کمزور، بے لباس دیکھا، اس سے وجہ پوچھی، وہ رو پڑا اور بھوک کی شکایت کی، آپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے، آپ لڑکے کو گھر لے گئے، کھانا کھلایا اور کپڑے پہنائے۔

جوانی میں معاشرتی ذمہ داریاں پیش آئیں تو تجارت کو ذریعہ معاش بنایا۔ آپ کی تجارت کی کام یابی کا علم مکہ کی مال دار خاتون بی بی خدیجہ کو ہوا تو کارندوں کے ذریعہ شام کے سفر تجارت پر بھیجا، اپنے معتبر غلام میسرہ کو بھی ساتھ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی دیانت اور محنت سے کام کیا کہ حضرت خدیجہ کو توقع سے زیادہ منافع ہوا۔ میسرہ کے ذریعہ نیکی اور دیانت کا معیار سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شادی کا پیغام بھیجا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہؓ کی عمر 40 سال تھی۔ حضرت خدیجہؓ کی صورت میں آپ کو ایک نیک اور خدمت گزار بیوی ملی، ان کے ہم راہ بڑی پرسکون اور خوش گوار جوانی میں خانگی زندگی گزاری۔ ان سے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہوئیں، بیٹے چھوٹی عمر میں وفات پا گئے، باقی ان کی چاروں بیٹیوں کی شادیاں ہوئیں، جوانی کی زندگی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام یاب انسان، ایک کام یاب باپ، خاوند اور کام یاب تاجر کی زندگی گزاری، یہاں تک کہ چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کی زندگی میں آج کے جوان کو جو پیغام اور اسوہ ملتا ہے وہ یہ ہے کہ آج کا جوان سچائی، دیانت اور شرافت کا پیکر بن جائے اور اس کی خوبیوں کے معترف سب سے پہلے اس کے گھر والے ہوں، جن کے ہم راہ وہ دن رات گزارتا ہے، پھر اس کے رشتہ دار اس کی خوبیوں کے معترف ہوں اور آج کے نوجوان پر جب معاشی ذمہ داریاں آ جائیں، تو کام یابی سے ان ذمہ داریوں کو نبھائے اور یہی خوبیاں اس کی شادی کا سبب بن جائیں اور اس کے بعد خاوند اور پھر باپ بننے کے بعد زندگی کے ہر مرحلے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے راہ نمائی حاصل کرتا رہے۔

اپنی زندگی کا رخ متعین کریں

مولانا محمد ناصر ندوی پرتاپ گڑھی

انسانی زندگی ایک با مقصد سفر ہے، جس کا ہر مرحلہ شعور، فیصلہ اور عمل کا تقاضہ کرتا ہے۔ دنیا میں اقوام کی ترقی اور زوال اس بات سے وابستہ ہے کہ اپنی زندگی کا رخ کس سمت متعین کیا ہے۔ جن قوموں نے واضح نصب العین، درست ترجیحات اور مسلسل محنت کو اپنا شعار بنایا، وہ وقت کے افق پر نمایاں ہوگئیں، اور جنہوں نے بے سمتی، سستی اور وقتی مفادات کو ترجیح دی، وہ تاریخ کے حاشیے پر چلی گئیں۔

دنیا میں آگے بڑھنے کے لئے سب سے پہلی ضرورت ہدف (target) ہے۔ جب تک فرد اور قوم یہ طے نہ کرلیں کہ انہیں کیا بننا ہے اور کہاں پہنچنا ہے، اس وقت تک وسائل، صلاحیتیں اور مواقع ضائع ہوتے رہتے ہیں۔ بے رخ زندگی ایسی کشتی کی مانند ہے جو موجوں کے رحم وکرم پر ہو، کبھی ادھر، کبھی ادھر، مگر کسی ساحل پر لنگر انداز ہونا بہت دشوار ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس متعین راہ زندگی انسان کو نظم واستقامت اور مقصد عطا کرتی ہے۔

اسلام انسان کو بے کار اور بے سمت نہیں چھوڑتا، بلکہ فعال کردار ادا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ قرآن کریم دنیا اور آخرت کے درمیان متوازن سوچ پیدا کرتا ہے، تاکہ انسان دنیا کو ترک کر کے راہب نہ بنے اور نہ دنیا میں کھو کر آخرت کو فراموش کرے۔ یہی توازن انسان کو کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔

زندگی کی تعمیر محض خواہشات اور خوابوں سے نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لئے جہدِ مسلسل شرطِ اوّل ہے۔ وہ قومیں جو محنت سے جی چراتی ہیں، وقت کی قدر نہیں کرتیں اور ذمہ داری سے فرار اختیار کرتی ہیں، وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتی ہیں۔ ترقی کا راستہ کٹھن ضرور ہے، مگر یہی کٹھن راستہ انسان کو مضبوط، باصلاحیت اور باوقار بناتا ہے۔ زندگی میں آگے بڑھنے کے لئے انسان کو اپنی صلاحیتوں کی شناخت بھی ضروری ہے۔ ہر شخص ایک جیسا نہیں ہوتا، کسی میں علمی استعداد ہوتی ہے، کسی میں فنی مہارت، کسی میں انتظامی صلاحیت اور کسی میں خدمتِ خلق کا جذبہ۔ باشعور معاشرہ وہی ہوتا ہے جو ہر فرد کی صلاحیت کو پہچان کر صحیح مقام پر استعمال کرے۔ جب صلاحیتیں صحیح رخ پر لگتی ہیں تو فرد بھی نکھرتا ہے اور قوم بھی ترقی کرتی ہے۔

علم ترقی کی بنیاد ہے، مگر وہ علم جو عمل سے خالی ہو، معاشرے کو آگے نہیں لے جا سکتا۔ اسی طرح محنت اگر علم اور اخلاق سے عاری ہو تو وہ بھی بسا اوقات تباہ کن بن جاتی ہے۔ ترقی یافتہ معاشرے وہی ہوتے ہیں جو علم، اخلاق اور عمل کو یکجا کرلیتے ہیں۔ علم سمت دیتا ہے، محنت ہدف میں رنگ بھرتی ہے اور اخلاق ترقی کو انسان دوست بناتا ہے۔

اس میدان میں نظم وضبط اور وقت کی قدر نہایت اہم عنصر ہے۔ وقت سب سے قیمتی سرمایہ ہے، جو ایک بار ضائع ہو جائے تو واپس نہیں آتا۔ منظم زندگی، منصوبہ بندی اور ترجیحات کا شعور انسان کو کامیاب زندگی عطا کرتا ہے، جبکہ بے ترتیبی اور لاپرواہی ترقی کے دروازے بند کر دیتی ہے۔ ترقی یافتہ قومیں وقت کی غلام نہیں ہوتیں، بلکہ وقت کو اپنا تابع بنا لیتی ہیں۔

دنیا میں حقیقی ترقی وہی ہے جو عدل، دیانت اور اجتماعی مفاد پر قائم ہو۔ ایسی ترقی جو چند ہاتھوں میں سمٹ جائے اور اکثریت محرومی کا شکار ہو، دیرپا نہیں ہوتی۔ بامقصد انسان اپنے مجاہدے سے نہ صرف خود فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ دوسروں کے لئے بھی آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ یہی اجتماعی سوچ فرد کی محنت کو قوم کی طاقت بنا دیتی ہے۔

راہ ورخ متعین کرنے والا انسان وقتی ناکامیوں سے گھبراتا نہیں، بلکہ انہیں سیکھنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ترقی کا سفر سیدھا نہیں ہوتا، اس میں ٹھوکریں بھی آتی ہیں، مگر مستقل مزاجی، حوصلہ مندی اور ہار نہ ماننے کا جذبہ انسان کو منزل تک پہنچا دیتا ہے، کامیابی کے لئے یہی حوصلہ، یہی مزاج اور یہی فکر درکار ہے۔

انسان کی ترقی کسی ایک دن کا کام نہیں، بلکہ مسلسل فکر، درست رخ اور محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جب فرد اپنی زندگی کا رخ درست کرتا ہے تو اس کا اثر خاندان، معاشرہ اور پوری قوم پر پڑتا ہے۔ آج کی دنیا کو ایسے ہی بامقصد، محنتی اور باکردار انسانوں کی ضرورت ہے جو تعمیر کے عمل میں شریک ہوں، نہ کہ تماشائی بن کر رہ جائیں۔

انسان کی زندگی میں سب سے اہم مرحلہ وہ ہوتا ہے جب وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ کس میدان میں اپنی صلاحیتیں صرف کرے گا۔ زندگی بے شمار راستے پیش کرتی ہے، مگر کامیابی کا راز ان سب پر چلنے میں نہیں بلکہ کسی ایک راستے کو شعور، عزم اور استقلال کے ساتھ اختیار کرنے میں ہے۔ جو شخص میدان منتخب کئے بغیر زندگی گزارتا ہے، وہ وقت کے دھارے میں بہہ جاتا ہے، اور جو میدان منتخب کر کے ڈٹ جاتا ہے، وہی اپنا وجود منواتا ہے۔

نوجوانوں کے لئے یہ حقیقت خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ جوانی محض توانائی کا نام نہیں، بلکہ ذمہ داری اور فیصلہ سازی کا دور ہے۔ یہی وہ وقت ہے جب محنت کی سمت طے ہوتی ہے اور مستقبل کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ اگر اس مرحلے میں انسان تذبذب، خوف یا سہل پسندی کا شکار ہو جائے تو آنے والی زندگی بھی اسی کمزوری کا عکس بن جاتی ہے۔

ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے ذوق، استعداد اور حالات کو سامنے رکھ کر ایک میدان منتخب کرے۔ علم ہو یا ہنر، تجارت ہو یا صنعت، دعوت ہو یا خدمتِ خلق۔ ہر میدان اپنی جگہ قابلِ قدر ہے، بشرطیکہ اس میں اخلاص، محنت اور استقامت شامل ہو۔ اصل ناکامی میدان کے انتخاب میں نہیں، بلکہ میدان میں ٹھہر نہ پانے میں ہے۔ جو شخص ہر مشکل پر راستہ بدل لیتا ہے، وہ دراصل اپنے آپ کو بار بار صفر پر لے آتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ کامیابی ہمیشہ آسانیوں میں نہیں ملتی۔ ہر میدان ابتدا میں کٹھن ہوتا ہے، ہر راستہ امتحان مانگتا ہے، اور ہر مقصد قربانی چاہتا ہے۔ جو لوگ تھکن دیکھ کر بیٹھ جاتے ہیں، تنقید سن کر گھبرا جاتے ہیں، یا وقتی ناکامی پر

پیچھے ہٹ جاتے ہیں، وہ ترقی کے دروازے خود بند کر لیتے ہیں۔ اس کے برعکس جو شخص مشکلات کے باوجود اپنے میدان سے وفادار رہتا ہے، وہ وقت کے ساتھ مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے، اور ایک دن کامیابی کے زینے طے کر لیتا ہے۔

قرآن کریم محنت اور ذاتی جدوجہد کے اس اصول کو نہایت واضح اور دوٹوک انداز میں بیان کرتا ہے:

”وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ“ (سورۃ النجم: 39)

(اور یہ کہ انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے خود کوشش کی۔)

یہ آیت نوجوانوں اور اہلِ میدان کے لئے ایک اٹل قانون ہے: کوئی شارٹ کٹ نہیں، کوئی متبادل نہیں، کوئی دوسرا تمہاری جگہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ تم جو کوشش کرو گے، وہی تمہاری پہچان بنے گی، اور تم جس میدان میں پسینہ بہاؤ گے، وہی تمہیں مقام عطا کرے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر صاحبِ مقصد انسان کو ایک جامع اصول عطا فرمایا:

”احْرِصْ عَلَىٰ مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجِزْ“ (صحیح مسلم: 2664)

(اس چیز کی حرص رکھو جو تمہیں نفع دے، اللہ سے مدد مانگو اور کمزور نہ پڑو۔)

یہ حدیث ہر طالب علم، ہر محنتی نوجوان اور ہر میدان کے لئے زندگی کا منشور ہے، مفید مقصد اختیار کرو، اللہ پر بھروسہ رکھو، اور ہمت ہار کر پیچھے نہ ہٹو۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کامیابی کا سفر فوراً نتیجہ نہیں دیتا۔ بعض اوقات برسوں کی محنت کے بعد راستہ ہموار ہوتا ہے۔ جو شخص جلدی نتائج چاہتا ہے، وہ مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے، اور جو صبر، نظم و ضبط اور مستقل مزاجی کے ساتھ چلتا ہے، وہ آہستہ آہستہ اپنی پہچان بنا لیتا ہے۔ استقامت ہی وہ صفت ہے جو عام انسان کو غیر معمولی بنا دیتی ہے۔

لہٰذا ہر نوجوان کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے موازنہ کم اور اپنے معیار کو بلند رکھنے پر توجہ زیادہ دے۔ ہر شخص کا سفر مختلف ہوتا ہے، مگر کامیابی کا اصول ایک ہی ہے: محنت، ثابت قدمی اور مقصد سے وفاداری۔ جو شخص اپنے میدان میں مہارت حاصل کر لیتا ہے، وہ خود بخود معاشرے کے لئے ناگزیر بن جاتا ہے۔

نوجوانو!! میدان منتخب کرو، پیچھے ہٹنے کا راستہ بند کرو، اور پوری قوت کے ساتھ آگے بڑھتے رہو۔ دنیا انہی لوگوں کو یاد رکھتی ہے جو میدان میں ڈٹے رہتے ہیں، اور قومیں انہی نوجوانوں پر فخر کرتی ہیں جو مشکل حالات میں بھی اپنے مقصد سے دست بردار نہیں ہوتے۔ یہی عزم، یہی استقامت اور یہی محنت دنیا میں کامیابی کا راستہ ہے اور ایک یہی باوقار، بامقصد زندگی کی ضمانت بھی ہے۔

سنی سنائی بات کی تحقیق کی ضرورت اور سوشل میڈیا

مولانا عبدالمتین

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَ کُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ‘‘ (الحجرات:۶) ’’اے ایمان والو! اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لاوے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے کوئی ضرر نہ پہنچادو، پھر اپنے کیے پر پچھتانا پڑے۔‘‘

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہت اہم اور نازک معاملے سے متعلق متوجہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ: کسی بھی معاملے سے متعلق پہلے بھرپور تحقیق سے کام لیا جائے، چاہے وہ معاملہ دینی ہو یا دنیوی، گھریلو، دفتری، انتظامی، سیاسی ہو یا آپس کے تعلقات سے متعلق، الغرض کوئی بھی ایسی بات پتہ چلے تو جب تک اس کی مکمل تحقیق نہ ہوجائے، بات مکمل واضح نہ ہوجائے، تب تک اس پر نہ یقین کرو، نہ عمل کرو، نہ ہی اس حوالے سے کوئی ایکشن لو۔

دورِ حاضر کی نزاکت:

موجودہ زمانے سے اس اُصول کا بہت گہرا تعلق ہے، سوشل میڈیا کا زمانہ ہے جس میں ہر طرف سے خبریں آرہی ہیں، ہر طرف سے معلومات کے دروازے کھلے ہوئے ہیں تو ایسے موقع پر بڑی نزاکت کے ساتھ ان چیزوں کو سمجھنا ضروری ہے۔

بات کرنے والا کون ہے؟:

لہٰذا سب سے پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ جو شخص بات کر رہا ہے، وہ خود کیسا ہے؟! اس کے اپنے اندر کتنی سچائی ہے؟! اس کا کردار و اخلاق کیسا ہے؟! کہیں وہ کوئی مشکوک یا کمزور کردار کا مالک تو نہیں؟! ایسا تو نہیں کہ وہ جہاں کہیں سے جیسی تیسی ادھوری بات سن لیتا ہے تو فوراً آگے پھیلا دیتا ہے؟!

آپس کے تعلقات میں رنجشیں کیسے پیدا ہوتی ہیں؟:

عام طور پر آپس کے تعلقات میں جو رنجشیں پیدا ہوتی ہیں، اس کی سب سے بڑی وجہ ہر سنی سنائی بات پر فوری یقین کرنا ہے، مثلاً کوئی شخص آئے اور کہے کہ: ’’آپ کو پتہ ہے فلاں شخص آپ کے متعلق اس طرح کہہ رہا تھا؟!‘‘ اس جملے سے بظاہر یوں لگتا ہے کہ ایک مخلص دوست کی پرواہ کی جارہی ہے، لیکن ذرا سا غور کیا جائے تو ممکن ہے کہ اس بات کے

پہنچانے میں اس شخص کے بہت سے اپنے مفادات ہو سکتے ہیں، ہوسکتا ہے اسے اپنا کوئی کام نکالنا ہو اور جھوٹی ہمدردی کا ڈھونگ رچا رہا ہو اور اپنے مقصد کی خاطر جھوٹ کہہ رہا ہو۔

یہاں تک کہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات بہت چھوٹی سی ہوتی ہے، بتانے والا اس چھوٹی بات کو اپنے مقصد کی خاطر بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے اور من پسند نتائج نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے اور یہ باتوں باتوں میں ایسا بھی کہہ دیتا ہے کہ: ''میں آپ کو دوستی یاری میں یہ سب بتا تو رہا ہوں، لیکن خیال رکھنا میرا نام نہ آئے۔'' گویا یہ آگ بھی جلاتا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ میرا نام نہ آئے، تاکہ بات اگر بگڑ جائے تو مجھ پر حرف نہ آئے، بلکہ یہ اکیلے ہی نمٹے، بالآخر یہ صاحب بعد میں انجان بن کر لاعلمی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں۔

ایسے موقع پر ہم جذبات میں آکر اس کی بات کا یقین کر لیتے ہیں، یہ سوچ کر کہ یہ میرے ساتھ مخلص ہے، میرے حق میں بات کر رہا ہے، میرا ہمدرد ہے، لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ معاملہ ریت کے ذرے برابر تھا، جسے پہاڑ بنا کر میرے سامنے پیش کیا گیا، ٹھیک ایسے ہی جیسے غبارے ہوتے ہیں جو اپنے ظاہر میں بہت موٹے تازے، چمکدار اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، لیکن ایک سوئی کی چبھن سے بے حیثیت ہو جاتے ہیں، اسی طرح کچھ معاملات بہت بڑے اور خطرناک معلوم ہوتے ہیں، لیکن ایک تحقیق اور تفتیش کا عمل ساری قلعی کھول دیتا ہے کہ کیا کہا جا رہا تھا اور حقیقت کیا ہے؟!

غیبت کرنے والے کی عجیب کمزوری:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عجیب بات ذکر فرمائی کہ: ''جو شخص آپ کے پاس آکر کسی کی غیبت کرتا ہے، کسی بڑے کا تذکرہ کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوسروں کے پاس جا کر آپ کا بھی برا تذکرہ کرتا ہوگا، کیونکہ اس کے اندر ایسا مرض موجود ہے، جسے یہ اپنی ذات تک محدود نہیں رکھ سکتا۔ آپ کو بظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ تو میرے ساتھ ہے، لیکن مجلس برخاست ہوتے ہی وہ کسی اور کے ساتھ ہو جاتا ہے اور وہاں پر آپ کی ذات کو موضوع بناتا ہے۔

جلد بازی میں فیصلہ کرنے کے نقصانات:

اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں سے متعلق یہ حکم بیان فرمایا کہ اگر کبھی ایسا ہو جائے کہ آپ کے پاس کوئی کچا آدمی آجائے اور کوئی بات بتائے تو فوراً اس کی بات پر یقین مت کرنا، بلکہ پہلے خوب تحقیق سے کام لینا اور بات کو مستند ذرائع سے سمجھنے کی کوشش کرنا۔ تحقیق سے بات معلوم ہو جائے تو ٹھیک، وگرنہ جلد بازی میں کوئی قدم مت اُٹھانا، کیونکہ بغیر تحقیق کے کوئی بھی قدم اُٹھانا بہت خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں یہ کہنا پڑے کہ: ''کاش! میں فلاں کی باتوں میں نہ آتا''، ''پہلے بات کی تصدیق کر لیتا''، وغیرہ۔

گھریلو ناچاقیاں:

اسی طرح گھریلو زندگی میں جہاں بہت سے لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں، ظاہر ہے جب کچھ لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں تو انسانی طبیعت کے مختلف ہونے کی وجہ سے کافی معاملات پیش آسکتے ہیں، تبھی علماء فرماتے ہیں: گھریلو زندگی احسان کے اصول کو اپنائے بغیر نہیں گزاری جاسکتی، لہٰذا اگر کوئی شخص ہر چھوٹی موٹی بات کا بدلہ لینا شروع کردے، ہر وقت گھر والوں کے رویوں کا، باتوں کا گلہ کرنے لگے تو زندگی اجیرن بن جاتی ہے اور سکون ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل پاتا، مثلاً گھر میں زبان سے کسی کے بارے میں کوئی بات نکل جاتی ہے، لیکن سننے والا اس بات کو بنا سنوار کر آگے بتا دیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ یہ تو آپ کے بارے میں ایسا کچھ کہہ رہا تھا، فلاں کے سامنے آپ کا نام آیا تو اس نے اس طرح کا منہ بنا، یا ناگواری دکھائی، آپ کی یہ چیز اُٹھا کر لے گیا، آپ کی کمائی یا کھانے پینے پر ایسا ایسا کہا گیا، وغیرہ، وغیرہ۔

اُصولی بات:

ایسے تمام معاملات کی صورت میں ایک اُصول یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ جو مجھے یہ سب بتا رہا ہے، وہ خود کیسا ہے؟ اس کی بات میں کتنا وزن ہے؟ اس کی بات کا یقین کیا جائے یا نہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ہر جگہ یہی کرتا ہے، جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر کسی کے پاس جا کر کوئی نہ کوئی ایسی گرما گرم بات ضرور کر دیتے ہیں کہ فلاں کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا، فلاں نے یہ کیا، فلاں علاقے میں یہ ہوا۔ ایسے لوگ نیوز رپورٹر کی طرح ہر ایک کے پاس خبریں پہنچاتے رہتے ہیں جو درحقیقت سنجیدگی سے سننے کے لائق ہی نہیں ہیں، نہ ہی اعتبار کے قابل ہیں۔

میاں بیوی کا عجیب واقعہ:

ایک مرتبہ شوہر کو اپنی بیوی پر شک ہوگیا کہ تم حاملہ ہو، لیکن یہ میری اولاد نہیں ہے، بلکہ کسی اور کی اولاد ہے، تو اس کی اہلیہ نے کہا کہ ایسا کرتے ہیں کہ ٹیسٹ کرواتے ہیں، پھر معلوم ہوجائے گا کہ یہ اولاد آپ ہی کی ہے یا نہیں۔ جب ٹیسٹ کروایا تو رپورٹ کے مطابق ڈی این اے شوہر کا نہیں تھا، بلکہ کسی اور کا تھا، شوہر نے بیوی کو کھڑے کھڑے تین طلاقیں دے دیں، لیکن اسی وقت کاؤنٹر سے آواز آئی کہ ہم نے آپ کے ہاتھ غلط رپورٹ تھما دی تھی، جب کہ آپ کی رپورٹ یہ ہے اور اس رپورٹ کے مطابق وہ اس کا اپنا ڈی این اے تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے بہت سے گھریلو معاملات ہیں جن میں بڑی سختی اور جذباتیت کے ساتھ ہم قدم اُٹھاتے ہیں، لیکن کچھ ہی وقت میں ہمیں بڑی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بہت پچھتاوا ہوتا ہے کہ کاش! ہم پہلے اس بات کی تصدیق کرتے، پھر اس کے بعد کوئی قدم اُٹھاتے، لیکن تب وقت ہمارا ساتھ نہیں دیتا۔

جھوٹے شخص کی نشانی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ ہے کہ: ’’انسان کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ

جو بھی سنے، بغیر تحقیق کے آگے بیان کر دے۔'' (صحیح مسلم) یعنی ایسا شخص جس کی عادت ہے کہ سنتے ہی اُگل دیتا ہے، سنتے ہی سب کو سنا دینا، یہ عادت ہی اس کے جھوٹا ہونے کی نشانی ہے۔

سوشل میڈیا اور سنی سنائی کی بھرمار:

آج کل سوشل میڈیا اور ٹیکنالوجی کا دور ہے، ایک ہاتھ میں پوری دنیا کی خبریں آجاتی ہیں، لیکن اس بات کا کچھ پتہ نہیں کہ وہ خبریں کہاں سے آ رہی ہیں؟ ان کا ذریعہ کیا ہے؟ عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ کوئی کسی کے پاس کوئی حدیث بھیجتا ہے تو وہ فوراً سے یقین کر لیتا ہے اور دوسروں کو فارورڈ کر دیتا ہے، جبکہ پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اس میں حوالہ بھی درج ہے یا نہیں! سند کے اعتبار سے یہ حدیث کس درجہ کی ہے! ایسا نہ ہو کہ کسی بزرگ کا قول ہو اور اسے حدیث بنا دیا گیا ہو، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایسے کئی اقوال سوشل میڈیا پر آتے رہتے ہیں، جن کا حقیقت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ اسی طرح قرآن کی کسی آیت کا ترجمہ ہو تو پہلے یہ تصدیق کرانی چاہیے کہ واقعی اس طرح کی کوئی آیت ہے بھی یا نہیں، ترجمہ درست ہے یا غلط! اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے کہ ہر بات کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دینا، کسی صحابیؓ وغیرہ سے منسوب کر دینا، یہ رویہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

دینی باتوں کی نزاکت:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح حدیث ہے کہ: ''کسی نے مجھ سے منسوب کر کے کوئی ایسی بات کہی (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا فرماتے ہیں) اور میں نے ایسا نہ کہا ہو تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔'' (صحیح مسلم)

ایک مرتبہ میرے اپنے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک ساتھی نے میسج بھیجا جس میں سورۂ ملک کا ترجمہ لکھا ہوا تھا، جو بالکل غلط تھا، یہاں تک کہ اس میں سورۂ ملک کی کسی ایک آیت کا بھی ترجمہ نہیں تھا، لیکن عنوان یہی لگایا ہوا تھا۔

ایک صاحب نے واقعہ سنایا کہ: کچھ برس پہلے انہوں نے انٹرنیٹ پر بہت سی دینی کتابیں سرچ کرنا شروع کیں تو ایک ویب سائٹ جو کہ ''الاسلام'' کے نام سے بنی ہوئی تھی، انہیں لگا کہ اس میں بہت سی اچھی کتابیں ہیں اور وہ خوب مطالعہ کرنے لگے، مگر تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ وہ پوری ویب سائٹ ہی قادیانیوں کی ہے جو آج بھی موجود ہے، جسے اگر کوئی عام مسلمان بغیر تحقیق کے پڑھنا شروع کرے تو ایمان ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ لہٰذا ایسے معاملے میں علماء اور اہلِ علم سے تحقیق کرنی چاہیے کہ یہ صحیح بھی ہے یا نہیں، یہ جو مسئلہ سننے کو ملا ہے یہ واقعی دین کا مسئلہ ہے یا نہیں؟!

اے آئی (مصنوعی ذہانت) کی معلومات کی حقیقت، طریقہ کار اور نقصان:

اے آئی کے ذریعے معلومات کے حاصل کرنے کا جو ذریعہ آج کل مروج ہو چکا ہے، اس کی معلومات درحقیقت ادھوری ہیں، ان پر فوری یقین نہیں کیا جا سکتا۔ اے آئی عقیدہ، عمل، فنِ تحقیق اور سند و استناد سے ماوراء ہو کر رطب و یابس

سے مستفاد صرف مواد پیش کرتا ہے، لہٰذا اگر مواد کوئی بہت بڑا جھوٹا اور من گھڑت شخص پیش کر رہا ہے، تب بھی یہ اس مواد کو فقط مواد کی نظر سے دیکھے گا اور اگر وہ مواد کسی بہت بڑے سچے اور اعلیٰ پائے کے محقق کا ہو، لیکن بدقسمتی سے وہ انٹرنیٹ کی دنیا میں دستیاب نہ ہو تو اے آئی اس مواد کو نظر انداز کر دے گا۔ مواد کی بے ہنگم بھرمار بالکل بھی سودمند نہیں، اگر اس کی سند اور سچائی مشکوک ہو جائے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اے آئی کی فراہم کردہ تفصیلات کس قدر غلط مواد کی طرف رہنمائی کر سکتی ہیں اور اضافہ یہ کہ وہ کسی قادیانی کے پیش کردہ مواد کو بھی اسلامی مواد کا عنوان دے سکتا ہے، کسی گمراہ شخص کی رائے کو بھی تفسیر، حدیث، فقہ جیسے اعلیٰ مضامین کی تفہیم کے لیے پیش کر سکتا ہے۔

اے آئی ویڈیوز:

جہاں تک اے آئی ویڈیوز کا تعلق ہے، وہ بہت سے لوگوں کے لیے جھانسے میں آنے کا ایک عام ذریعہ بن چکا ہے، ہمارے ہاں عام طور پر کوئی چیز اگر ویڈیو کی شکل میں پیش کی جاتی ہے تو اسے مشاہدے کی قوت کی وجہ سے بڑی دلیل مانا جاتا ہے اور اسے آنکھوں دیکھا حال قرار دے کر سندِ قبول دے دی جاتی ہے، لیکن اے آئی نے اس غلط فہمی سے نکلنے کے بہت سارے اسباب جمع کر دیے ہیں، لہٰذا ایسی ویڈیوز اب کافی تعداد میں موجود ہیں جن کو شروع میں حقیقت سمجھا جا رہا تھا، لیکن کچھ عرصہ بعد پتہ چلا کہ سب مصنوعی ہیں۔ آواز بدلنا، کردار بدلنا، گردوپیش کے ماحول کو بدلنا اور یہ سب انٹرٹینمنٹ کی حد تک تھا، لیکن اب یہ لوگوں کی ذاتیات تک کو موضوع بنانے لگا ہے، اور یہ سب کا سب بڑھتا ہی جا رہا ہے، جس سے کوئی شخص یا عقائد ونظریات، اخلاق واقدار، ثقافت وتہذیب کچھ بھی محفوظ نہیں، کچھ بھی بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے اور کسی پر کچھ بھی تھوپا جا سکتا ہے، لہٰذا خلاصہ یہ ہے کہ اب ویڈیو سے بھی کسی بات کی سچائی اور واقعیت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اے آئی کے ذریعہ بنائی گئی ہو۔ ایسے حالات میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اے آئی کا اندھا مقلد بن جانا اور وہ جیسی تیسی معلومات فراہم کرے اُسے فوراً حرفِ آخر سمجھنا، یہ بڑی نادانی کا عمل ہے، لہٰذا خبر کی تحقیق یہاں بھی اسی درجے میں لازم ہے جہاں دوسرے اُمور میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

خلاصہ:

کوئی بھی بات چاہے دین کے حوالے سے ہو یا گھریلو حوالے سے، آپس کے تعلقات ہوں یا معاشرے کے اُتار چڑھاؤ، پہلے تحقیق کرنا ہم پر لازم ہے۔ خاص طور پر جب بات دین کے حوالے سے ہے تو یہ تحقیق کرنا لازمی ہے کہ جو بات کو بیان کرنے والا ہے وہ کوئی مستند عالم بھی ہے؟ اس نے جہاں سے تعلیم حاصل کی ہے وہ مستند ادارہ ہے؟ دین اتنا سستا نہیں کہ کوئی بھی کیمرے کے سامنے بیٹھ کر فتوے دینے لگے، کچھ ویڈیوز دیکھ کر عقیدہ نہیں سمجھا جا سکتا، ہزاروں علماء سے بدظن ہو کر ہم سوشل میڈیا کے قریب ہو سکتے ہیں، لیکن دین کے نہیں۔

اسلام میں نکاح کا مربوط اور جامع نظام

مولانا محمد ابوبکر شیخوپوری

نکاح نسل انسانی کی بقاء کا ذریعہ اور خواہش نفسانی کی تکمیل کا مہذب طریقہ ہے۔ مذہب اسلام میں اسے عبادت کا درجہ حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے مسجد کے نورانی اور پاکیزہ ماحول میں منعقد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "أعلنوا هذا النكاح واجعلوه في المساجد" (یہ نکاح اعلانیہ طور پر کرو اور مسجد میں اس کا اہتمام کرو)۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل المساجد یعنی مسجد حرام میں حرم کعبہ کے سائے اور لبیک اللھم لبیک کی روح پرور صداؤں میں حضرت میمونہؓ سے رشتہ ازدواج منسلک کیا تھا۔

نیز اس پر مسرت موقع پر خطبہ مسنونہ کے ذریعے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد وثنا اور قول سدید اور تقوی ورع کی نصیحت نکاح کے مذہبی تشخص کو اجاگر کرتی اور اس کے عبودیت کے پہلو کو عیاں کرتی ہے۔ اس کے برعکس کفار کے ہاں نکاح محض نفس رانی اور خواہش پرستی کا نام ہے، اس لیے وہ بازاروں، سینما گھروں، رقص وسرور کی محفلوں اور معصیت کے متعفن زدہ ماحول میں اس کی تقریب کا انتظام کرتے ہیں۔

نکاح کی اہمیت

اللہ رب العزت نے انسان کو رشتوں کی جس خوب صورت لڑی میں پرویا ہے، ان میں سب سے اہم رشتہ عقد نکاح کے ذریعہ زوجین میں طے پانے والی نسبت ہے، یہی وہ ناطہ ہے جو ابتدائے آفرینش میں سب سے پہلے وجود میں آنے والا اور فنائے عالم کے بعد بہشت بریں میں سدا قائم رہنے والا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں اس رشتے کو نسبی رشتے کے ساتھ مقام نعمت میں ذکر فرمایا ہے، چناں چہ سورۃ الفرقان میں ارشاد باری تعالی ہے: "وهو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا" (اور وہ (اللہ) ایسی ذات ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو خاندان والا اور سسرال والا بنایا)

نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرغوب چیزوں میں سے ہے، ایک طویل حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

"حبب إلي من دنیا کم ثلاث: الطیب و النساء و جعلت قرة عیني في الصلوۃ"

(تمہاری دنیا کی چیزوں میں سے مجھے تین چیزیں محبوب ہیں، خوش بو اور عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔) اپنی اس پسندیدہ چیز کو عملاً اختیار کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ عورتوں سے شادی فرمائی، جس سے نکاح کی اہمیت واضح کرنے کے ساتھ ساتھ امت کو ازدواجی زندگی کے زریں اصول بھی فراہم کیے۔ پھر صرف اپنی ذات کی حد تک نہیں، بلکہ اسے اپنے سے پیشتر تمام انبیاء کی مشترکہ سنت قرار دیا، چناں چہ ترمذی میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أربع من سنن الأنبياء: الحياء والتعطر والسواک والنكاح'' (چار چیزیں انبیاء کی (متفقہ) سنتیں ہیں: حیاء، خوش بو، مسواک اور نکاح)۔

اسلام اور رہبانیت

مذہب عیسائیت میں رہبانیت کا تصور پایا جاتا ہے، جو قرآنی بیان: ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا﴾ کی رو سے خدائی پابندی کے بغیر ان کا اپنا ایجاد کردہ نظریہ ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عیسائی نکاح کو عبادت میں مخل سمجھتے ہیں، اس لیے ان کا ایک بڑا طبقہ نکاح کے عمل سے کنارہ کش ہو کر جنگلوں، غاروں اور خلوت گاہوں کا رخ کر لیتا ہے اور تمام زندگی وہیں گزار دیتا ہے، جب کہ اسلام جیسے عالم گیر اور آفاقی مذہب میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے: ''لا رهبانية في الإسلام'' (اسلام میں رہبانیت نہیں ہے)۔ بلکہ اسلامی نقطہ نظر سے تو نکاح عبادت میں معین ومددگار ثابت ہوتا ہے، کیوں کہ حدیث کی روشنی میں نکاح انسان کی شرم گاہ اور قلب ونظر کا محافظ ہے اور جس قدر دل اور نگاہ پاک ہوں گے اسی قدر حق تعالیٰ کی معرفت کا عکس اس میں شفاف ہوگا، پھر جتنی زیادہ معرفت حاصل ہوگی اتنا عبادت کی طرف میلان اور رجحان زیادہ ہوگا۔

صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ تین آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے آئے، جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت عبادت کے بارے میں سنا تو اپنی عبادت کو کم خیال کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا میں تمام عمر شب بیدار رہوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ساری زندگی روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا میں عورتوں سے جدا رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔ اس دوران نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور ان سے فرمایا:

''أما والله، إني أخشاكم لله وأتقاكم له، لكني أصوم وأفطر وأصلي وأرقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتي فليس مني''

(اللہ کی قسم! میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا تقویٰ اختیار کرنے والا ہوں لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں۔ لہٰذا جس نے میری سنت سے بے رغبتی کی اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔)

اس سے منشائے نبوت یہ تھا کہ انسان ان بشری تقاضوں کو پورا کرنے کے ساتھ بھی عبادت کا فریضہ بخوبی اور بکثرت سرانجام دے سکتا ہے، اس کے لیے طبعی حوائج کے ترک کی ضرورت نہیں۔

رشتہ ازدواج کی نزاکت

اپنی مسلمہ افادیت کے ساتھ ساتھ یہ اہم رشتہ نزاکت اور لطافت میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ سنجیدگی، مذاق، غصے، پیار، اجبار اور اختیار میں ایک لفظ قبول سے یہ قائم ہوجاتا ہے اور ان تمام صورتوں میں ایک لفظ طلاق یا اس کے ہم معنی کنائی لفظ سے برسہا برس پر محیط تعلق پاش پاش ہوجاتا ہے۔ ایک لحظے میں اپنائیت سے اجنبیت اور اجنبیت سے اپنائیت کا طویل سفر طے کرنے میں اس کا کوئی بدل نہیں۔ لہٰذا کسی لمحہ بھی اس کے نزاکتی پہلو کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے ورنہ آتش غضب میں مشتعل ہوکر کیا گیا کوئی بھی جذباتی فیصلہ ہنستے بستے گھر کو ویران کر کے اپنی اور اپنے اہل وعیال کی زندگی کو حسرت وندامت کے اس تاریک غار میں دھکیل سکتا ہے جہاں سے واپسی کا سفر ناممکن ہوجاتا ہے۔

قرآنی فیصلے ﴿الذی بیدہ عقدۃ النکاح﴾ کے مطابق اس رشتے کے قیام اور انہدام کی ڈوری مرد کے ہاتھ میں پکڑائی گئی ہے، اس اختیار کا ناجائز اور بے موقع استعمال کر کے اپنی عزت تک قربان کردینے والی اور خاوند کی دل جوئی کے لیے ہر جتن کردینے والی رفیقہ حیات کے ساتھ یہ نازیبا سلوک شرعاً اور عقلاً کسی طرح بھی درست نہیں، چناں چہ سنن ابی داوٗد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أبغض الحلال إلی اللہ تعالی الطلاق" (اللہ تعالی کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض چیز طلاق ہے۔)

نکاح میں سادگی

نکاح چوں کہ ہر امیر وغریب اور مرد وزن کی یکساں بشری ضرورت ہے، اس لیے شریعت اسلامیہ نے اس کو سادگی کے ساتھ منعقد کرنے اور خواہ مخواہ کے تکلفات سے دور رکھنے کی ہدایت کی ہے۔ شعب الایمان میں حضرت عائشہ کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "إن أعظم النکاح برکۃ أیسرہ مؤنۃ" (سب سے زیادہ بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم تکلف ہو"۔

بدقسمتی سے سادگی اور بے تکلفی کی اس اہم دینی ہدایت کو ہمارے مسلم معاشرے میں یکسر نظرانداز کر کے اس طبعی اور فطری عمل کو مشکل سے مشکل تر بنادیا گیا ہے۔ متحدہ ہندوستان میں دس صدیوں پر محیط اسلامی سلطنت میں چوں کہ ہندو بھی بطور اقلیت کے مسلمانوں کے ساتھ رہے، پھر اسلامی حکومت کے زوال کے بعد سلطنت برطانیہ میں بھی دونوں قومیں ایک ساتھ رہیں، اس لیے ہندوؤں کی بہت سی رسومات اور خرافات مسلم سماج کا حصہ بن گئیں، جو تقسیم ہند کے تہتر سال بعد بھی بدستور رائج ہیں، جن پر عمل کرنا فرض اور واجب عمل کی حیثیت اختیار کرگیا ہے۔ اس موقع پر رسم حناء، نیوتہ، جہیز اور بیسیوں قسم

کی غیر عقلی اور غیر شرعی رسومات ادا کی جاتی ہیں، جن کے بغیر نکاح کی تقریب کو نامکمل تصور کیا جاتا ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ان رسومات کا نقصان یہ ہے کہ ان کی ادائیگی کے لیے مطلوب رقم نہ ہونے کی وجہ سے قوم کی لاکھوں بچیاں نکاح کی عمر سے متجاوز ہو جاتی ہیں اور شوہر کی صورت میں ایک محفوظ سائبان سے محروم رہ جاتی ہیں، ان کے بے بس والدین کی راتیں زندگی میں بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں سے رخصت کرنے کا خواب سراب بنتے دیکھ کر دکھ اور کرب میں گزرتی ہیں، مستعار رقم سے ان رسومات کی ادائیگی کر کے بیٹیاں بیاہ دیں تو تمام عمر قرض کے منڈلاتے سائے ان کی زندگی اجیرن کیے رکھتے ہیں۔ اس تشویش ناک صورت حال میں ان رسومات کے انسداد اور سدباب کے لیے معاشرے کے بااثر اور سرکردہ افراد کو مؤثر آواز بلند کرنی چاہیے اور انسانی حقوق کی قومی اور بین الاقوامی تنظیموں اور ارباب حل وعقد کو سنجیدگی سے قانونی جدوجہد کرنی چاہیے۔

رفیقہ حیات کی تلاش

نکاح کے سلسلہ کی اہم ترین کڑی شریک حیات کی تلاش ہے۔ اس حوالے سے شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ عورت کے حسب ونسب، مال وزر اور حسن وجمال سے زیادہ اس کی دین داری کے پہلو کو دیکھا جائے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان منقول ہے: "**تنکح المرأة لأربع خصال: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداک**" (چار خصلتوں کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال کی وجہ سے، اس کے حسب کی وجہ سے، اس کے جمال کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے، لہذا تو دین والی کو اختیار کر (پھر بطور تکیہ کلام کے فرمایا) تیرے ہاتھ خاک آلود ہو جائیں)۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ ماں کی گود اولاد کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے، جب عورت نیک ہوگی تو اس کی پارسائی اولاد کی تربیت پر اثر انداز ہوگی، پھر یہ اولاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: "**أو ولد صالح يدعو له**" کی روشنی میں صدقہ جاریہ بن کر والدین کے لیے نجات کا سبب ہوگی۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ حکایت اہل علم میں مشہور ہے۔ معروف حنفی فقیہ شیخ محمد بن احمد سمرقندیؒ کی صاحب زادی کا نام فاطمہ تھا، جو علم وفضل میں اپنے والد کی طرح تھی، موصوفہ کی علمی شہرت کی وجہ سے روم اور عرب کے بہت سے مسلم سلاطین وحکام کی جانب سے انہیں نکاح کی پیشکش کی گئی، لیکن فاطمہ کی ایک ہی شرط تھی کہ میں اس شخص سے نکاح کروں گی جو میرے والد قابل قدر کی کتاب "**تحفة الفقهاء**" کی شرح لکھے گا۔ شیخ محمد بن احمد سمرقندی کے مایہ ناز شاگرد علاء الدین کاسانی نے "بدائع الصنائع" کے نام سے اس کتاب کی شرح تحریر کی۔ والد نے اپنی بیٹی کی شرط کے مطابق اپنے اسی شاگرد کے ساتھ، باوجود ان کے مفلس اور غریب ہونے کے نکاح کر کے رخصت کر دیا۔ بعد میں اللہ نے انہیں مالی وسعت بھی عطا فرمائی اور ایسا علمی فضل وکمال عطا فرمایا کہ ان کی تصدیق کے بغیر سمرقند میں کوئی فتوی معتبر نہیں مانا جاتا تھا۔

فحش گوئی

مولانا سحبان محمود

" عن عبداللہ بن مسعود رضي اللہ عنہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم: لیس المؤمن بالطعان و لا باللعان و لا بالفاحش و لا بالبذي." (رواہ الترمذي)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورا کرام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو مسلمان ہے وہ طعنے نہیں مارتا اور نہ لعنت بھیجتا ہے اور نہ فحش گوئی کرتا ہے اور نہ بدزبانی کرتا ہے۔"

فحش گوئی یعنی بے ہودہ باتیں کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی زبان سے ایسی باتیں نکالے جو شرافت وتہذیب اور شرم وحیا کے دائرہ سے خارج ہوں، جیسے کسی کو گالی دینا، طعنہ زنی کرنا یا کسی پر لعنت بھیجنا۔ اس حدیث میں فحش گوئی کی بنیادی صورتوں کو ذکر فرمایا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ بیہودہ گوئی کا تعلق یا تو خلاف تہذیب وشرافت باتوں سے ہوگا، جیسے زبان سے گالی گلوچ کرنا، کسی پر طعنہ زنی کرنا، کسی سے بدزبانی کرنا یا کسی کو کوسنا اور یاوہ گوئی سے کام لینا۔ یا فحش گوئی کا تعلق شرم وحیا کے خلاف باتوں سے ہوگا کہ ایسی باتوں کو صاف صاف اور کھلم کھلا دوسرے کے سامنے بیان کرنا جو انسانی شرم وحیا کے خلاف ہوں۔

بیہودہ گوئی کی پہلی قسم کو قرآن وحدیث میں اس کی تمام صورتوں کے ساتھ ممنوع قرار دیا گیا ہے اور بدزبانی کو بے حیائی و بے غیرتی میں داخل کر کے اس سے روکا گیا ہے، چناں چہ ترمذی شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ جس کے اندر حیا آ جائے تو وہ اس کو زینت یعنی شرافت وعزت دیتی ہے اور جس کے اندر بدزبانی اور تندخوئی آ جائے تو اس کو عیب دار بنا دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بدزبانی ذلت ورسوائی کا اور شرم وحیا عزت وعظمت کا سبب ہیں۔

بدزبانی اور گالی گلوچ سے مغلظ اور گندی گالیاں ہی مراد نہیں ہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے ہر وہ بات اس میں داخل ہے جو دوسرے کی توہین وتحقیر یا اس کی دل آزاری کا سبب ہو، حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے ماں باپ کو بُرا بھلا نہ کہے، لوگوں نے عرض کیا کہ کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بُرا بھلا کہہ سکتا ہے؟ یعنی یہ بات تو کسی بھی شخص سے نہیں ہوسکتی۔ آپ نے فرمایا کہ جو دوسرے کے ماں باپ کو گالی دے گا تو وہ پلٹ کر اس کے ماں باپ کو ایسا ہی کہے گا، گویا اس کی گالی سبب بن گئی ہے، اپنے ماں باپ کی گالی کا، اس لیے ایسی بدزبانی نہ کی جائے۔ بخاری شریف کی حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کو گالی دینا بہت بڑا گناہ ہے اور اس سے قتل وقتال کرنا تو گویا کفر ہے...... بدزبانی یا گالی گلوچ کرنا اتنا سنگین گناہ ہے کہ اس کی معافی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک وہ شخص معاف نہ کرے جس کے ساتھ بدزبانی کی گئی ہے کیوں کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اُمت کو بدزبانی اور گالی دینے سے اس حد تک روکا ہے کہ اپنے زیرِ دستوں، اپنے نوکر چاکر اور اپنے خادموں کے ساتھ بھی یہ معاملہ نہ صرف جُرم قرار دیا، بلکہ اس کو دورِ وحشت اور زمانۂ جاہلیت کی یادگار قرار دے کر اس سے دلوں میں نفرت بھی پیدا کر دی، بخاری شریف میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام کو گالی دے دی، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تم میں ابھی تک دورِ جاہلیت کا اثر باقی ہے، یہ تمہارے خادم تمہارے بھائی ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت پر لگا دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ان سے بھائیوں جیسا معاملہ کرو۔

یہ تو وہ سنگین بدزبانی اور فحش گوئی تھی جس کا تعلق انسانوں سے تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو جانوروں کو بھی گالی دینے اور کوسنے کو نہ صرف یہ کہ ناپسند فرمایا، بلکہ اس پر مناسب سزا بھی دی ہے۔ چناں چہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ آپ ایک مرتبہ سفر میں تھے، مسافروں میں ایک خاتون بھی تھیں، ان کی اس اُونٹنی نے جس پر وہ سوار تھیں کچھ شوخی کی، اس پر اس خاتون نے اُونٹنی پر لعنت بھیج دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی اور حکم دیا کہ اس خاتون کو اُس اُونٹنی سے اتار دیا جائے، آپ نے ان کو اونٹنی سے محروم کر کے گویا سزا دی، تاکہ آئندہ ان کو عبرت ہو۔

جانوروں میں تو بہر حال جان ہوتی ہے اور ان کو تکلیف وغیرہ کا احساس ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بے جان چیزوں کو برا بھلا کہنے اور ان کو کوسنے سے منع فرمایا ہے۔ چناں چہ ابوداؤد میں ہی یہ حدیث شریف ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص کی چادر کو ہوا اِدھر اُدھر اڑانے لگی، اس نے تنگ آ کر ہوا پر لعنت بھیج دی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہوا پر لعنت نہ بھیجو، یہ تو اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار ہے اور اسی کے حکم سے چل رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود ہوا جو ایک بے جان چیز ہے اسے کوئی اختیار نہیں، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے، چلے گی تو اسی کے حکم سے، رک جائے گی تو اسی کے حکم سے، اس کو بُرا بھلا کہنے کا مطلب تو یہ ہوا کہ اس کے چلانے والے کو برا بھلا کہہ دیا۔

اسی طرح جب پریشانیاں اور مصیبتیں کسی کو گھیر لیں تو وہ زمانہ کو بُرا بھلا کہنے لگتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی روکا ہے، چناں چہ بخاری شریف میں حدیث قدسی میں آیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان آپ نے اُمت تک پہنچایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (اے میرے بندو!) زمانہ کو بُرا بھلا نہ کہو، ابن آدم زمانہ کو بُرا بھلا کہتا ہے، حالاں کہ زمانہ تو میں ہی ہوں، میرے قبضہ میں رات دن ہیں۔ یعنی اس زمانہ کو چلانے والا اور اس میں انقلابات و حوادث پیدا کرنے والا تو میں ہوں، سب کچھ میرے حکم سے ہو رہا ہے، لہٰذا زمانہ کو بُرا بھلا کہنا گویا مجھے بُرا بھلا کہنا ہے۔

یہ ہے فحش گوئی اور بدزبانی کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ کہ جب بے جان چیزوں کے معاملہ میں زبان کی حفاظت کا اہتمام کیا جائے گا تو جانوروں کے معاملہ میں اور زیادہ، پھر بنی نوع انسان اور اپنے بھائیوں کے حق میں اس سے بھی زیادہ حفاظت کا اہتمام ہوگا۔ اور جب زبان کو اس قدر قابو میں کر لیا تو اپنے عزیز و اقارب اور دوست و احباب کے حق میں تو بے ہودہ گوئی کا تصور بھی نہیں آئے گا۔

موسم سرما غنیمت بھی نصیحت بھی

مفتی محمد صادق حسین قاسمی

موسم سرما کی آمد ہو چکی ہے، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں گرم کپڑوں میں لپٹے رہنے پر مجبور کر دیتی ہیں، ہواؤں کے خنک جھونکوں سے طبیعت مچل جاتی ہے، حرارت کی طلب بڑھ جاتی ہے، ٹھنڈک کو دور کرنے کے لیے مختلف قسم کے لباس اور بہت ساری چیزیں استعمال کرنے میں لگ جاتے ہیں، موسم گرما کا ہو یا برسات کا، ہر موسم کا لطف ومزہ الگ ہوتا ہے۔ کائنات کا خالق ومالک اللہ تعالی ہے، وہ بہت خوب جانتا ہے کہ انسانوں کو گرم ہواؤں کی بھی ضرورت ہے اور بارش سے جل تھل ہونے کی بھی، اسی طرح موسم سرما کے ذریعہ کائنات میں تبدیلی کا واقع ہونا بھی بہت اہم ہے۔ چاند، سورج، ستارے، جھاڑ، پہاڑ، ہوا، پانی سب اس کے حکم کے ماتحت ہیں، جب اس کا اشارہ ہوتا ہے کائنات کے نظام میں تبدیلی شروع ہو جاتی ہے، جب کہ سورج وہی ہے جسے روز طلوع وغروب ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں، لیکن وہ چاہتا ہے تو اسی سورج کی شعاعوں سے زمین کو گرم کر دیتا ہے، انسانوں کو دھوپ کی شدت سے دوچار کر دیتا ہے اور جب چاہے تو پھر اسی آسمان زمین کے درمیان ماحول اور موسم کو نہایت سرد اور ٹھنڈا کر دیتا ہے، خدا کی قدرت، اس کی عظیم بادشاہت کے یہ انوکھے مناظر اور نظام کائنات کی حیرت انگیز تبدیلیاں انسانوں کو بے شمار عبرت ونصیحت کا پیغام دیتی ہیں اور اپنے عظیم خالق ومالک کا پتہ بتاتی ہیں کہ اس کائنات کا چلانے والا رب کتنا عظیم ہے۔

موسموں کی تبدیلی اور حرارت وبرودت کی کیفیات انسانوں کے لیے نصیحت کا پیغام ہیں۔ عموما اس جانب توجہ نہیں دی جاتی کہ اللہ تعالی نے کائنات کے نظام کے ذریعہ انسانوں کو کیا سکھایا اور کیا سمجھایا ہے، عقل مند ودانا وہ ہیں جو کائنات میں پیش آنے والی ہر تبدیلی سے سبق لیں اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے والا بنیں۔ دنیا میں سردی یا گرمی کی شدت اور سختی جو پیش آتی ہے اس کا سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کے سانس لینے اور اس کے جوش کو قرار دیا۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: جب سخت گرمی ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ کیوں کہ گرمی کی سختی دوزخ کی تیزی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ (پھر فرمایا کہ) دوزخ نے اپنے رب کی بارگاہ میں شکایت کی کہ (میری تیزی بہت بڑھ گئی ہے، حتی کہ) میرے کچھ حصے دوسرے حصوں کو کھائے جارہے ہیں، (لہٰذا مجھے اجازت دی جائے کہ کسی طرح اپنی گرمی ہلکی کروں) اللہ تعالی نے اس کو دو مرتبہ سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس سردی کے موسم میں اور ایک گرمی کے موسم میں۔ لہٰذا تم جو گرمی محسوس کرتے ہو وہ دوزخ کی لو کا اثر ہے۔ (بخاری: حدیث نمبر 506)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: دنیا میں ہم جو کچھ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اس کے کچھ ظاہری اسباب ہوتے ہیں، جنھیں ہم خود بھی جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں اور کچھ باطنی اسباب ہوتے ہیں جو ہمارے احساس وادراک کی دست رس سے باہر ہوتے ہیں، انبیائے کرام علیہم السلام کبھی کبھی ان کی طرف اشارے فرماتے ہیں، اس حدیث میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ: گرمی کی شدت آتش دوزخ کے جوش سے ہے، یہ اسی قبیل کی چیز ہے، گرمی کی شدت کا ظاہری سبب تو آفتاب ہے اور اس کو ہر شخص جانتا ہے اور کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا، لیکن عالم باطن اور عالم غیب میں اس کا تعلق جہنم کی آگ سے بھی ہے اور یہ ان حقائق میں سے ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام ہی کے ذریعہ معلوم ہوسکتے ہیں۔ (معارف الحدیث: 3/128)

جس طرح دنیا میں بہت زیادہ دھوپ اور گرمی انسانوں کے لیے مصیبت بن جاتی ہے، اسی طرح موسم سرما کا اعتدال سے نکل جانا بھی سخت اذیت کا باعث ہوتا ہے، گرمی اور سردی یہ دو مظاہر ہیں کہ ان کے ذریعہ بھی اللہ تعالی انسانوں کو عذاب دیتا ہے، عموماً گرمیوں میں تو اس کا احساس ہوتا ہے، لو کی تپش اور دھوپ کی سختی سے لوگوں کو جہنم کی ہول ناکی یاد آجاتی ہے، لیکن سردیوں کی بہت زیادہ شدت ذہن ودماغ کو اس طرف نہیں لے جاتی۔ جب کہ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے جنتیوں کو جنت میں ملنے والے سکون وراحت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا﴾ (الدھر: 13) وہ ان باغوں میں آرام دہ اونچی نشستوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے، جہاں نہ وہ دھوپ کی تپش دیکھیں گے اور نہ کڑاکے کی سردی۔

اس آیت میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ وہ جنت میں جنتیوں کو سردی اور گرمی کی تکلیف سے محفوظ رکھے گا اور وہاں کا موسم نہایت خوش گوار اور معتدل ہوگا۔ زمہریر سے متعلق حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ بے شک جہنم کا ایک عذاب ایسا ہوگا جس میں ٹھنڈک ہوگی اور وہ زمہریر ہے جس میں (سردی کی شدت کی وجہ سے) ہڈیوں سے گوشت گر جائے گا، یہاں تک کہ لوگ جہنم کی گرمی کی فریاد کریں گے۔ حضرت مجاہدؒ سے منقول ہیں کہ: زمہریر وہ (شدید ٹھنڈک کا) عذاب ہے جس کی ٹھنڈک کو چکھنے کی بھی لوگوں میں طاقت نہ ہوگی۔ (صفة النار: 100، باب ألوان العذاب، دار ابن حزم، بیروت)

غرض یہ کہ جس طرح ہول ناک آگ جہنم کا ایک عذاب ہے، اسی طرح خطرناک سردی بھی عذاب ہی کی ایک قسم ہے، جہنمیوں کو مختلف قسم کے عذابات دیے جائیں گے۔ دنیا کی شدید سردی سے انسان کو جہنم کی سردی کی یاد آنی چاہیے اور اس کے نتیجہ میں جس طرح وہ ظاہر بدن کو سردی کی شدت سے بچانے کے لیے اسباب جمع کرتا ہے اور کوشش وفکر میں لگا رہتا ہے، اسی طرح اس کو چاہیے کہ آخرت کے سخت ٹھنڈے عذاب سے بھی بچ جائے اور اس کے لیے وہ اعمال کرنے کی فکر کرے، جن سے اُس عذاب سے بچا جاسکتا ہے۔

سردیوں کا موسم جہاں انسانوں کی ضرورت ہے وہیں اس کے اللہ تعالی نے فائدے بھی رکھے ہیں، سردیوں میں

دن چھوٹا ہوتا ہے اور راتیں لمبی ہوتی ہیں، جہاں بہت سے کام کرنے میں رات کا بڑا حصہ مددگار ہوتا ہے، وہیں اللہ تعالی کی عبادت، قرآن کریم کی تلاوت، دعا ومناجات کے لیے کافی وقت انسان کو میسر آجاتا ہے، قدر کرنے والے اس کی بہت قدر کرتے ہیں اور سردیوں کی راتوں میں خوب عبادتوں کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے:

"الشتاء ربيع المؤمن، قصر نهاره فصام، و طال ليله فقام" (شعب الایمان للبیهقی: 6393)

سردی کا موسم مومن کے لیے بہار کا موسم ہے، چناں چہ اس کے دن چھوٹے ہوتے ہیں تو وہ روزہ رکھتا ہے اور راتیں طویل ہوتی ہیں تو وہ قیام کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: "الشتاء غنيمة العابدين" سردی کا موسم عبادت کرنے والوں کے لیے غنیمت (لوٹنے کا موسم) ہے۔ (سردی کا موسم ص:20)

سردیوں میں عبادت یا اعمال انجام دینے کے لیے وضو کرنا پڑتا ہے، موسم کی ٹھنڈک کی وجہ سے پانی بھی نہایت سرد ہو جاتا ہے، ایسے میں جب بندہ مومن وضو کرتا ہے، تو نبی کریم ﷺ نے اس کے لیے دوہرے اجر کی بشارت دی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جس نے سخت سردی میں کامل وضو (یعنی سنت کے مطابق) کیا، اس کے لیے اجر کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: تین چیزیں خطاؤں اور گناہوں کو مٹادیتی ہیں اور درجات بلند کرتی ہیں۔ سخت سردی کی ناگواری میں کامل وضو کرنا۔ مسجد میں دور سے چل کر آنا۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ (مسلم:253)

سردی کے موسم میں رات کے وقت ہر کوئی چاہے گا کہ گرم لحاف میں لپٹا ہوا ہو، بہترین گرم سوئیٹر اس کے پاس موجود ہو، جب کسی کام اور ضرورت سے باہر نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو تمام تر حفاظتی واحتیاطی تدابیر کے ساتھ باہر نکلے، لیکن اس دنیا میں ایسے کتنے لوگ ہیں کہ جن کے پاس سر چھپانے کو چھت نہیں، آرام کرنے کو نرم وگرم بستر نہیں، سردی کی سخت راتوں میں ضرورت مند ومجبور سڑکوں کے کنارے، فٹ پاتھ پر، بس اسٹینڈ پر اکڑے ہوئے سو رہے ہوں گے، جن کے پاس نہ گرم کپڑے ہیں اور نہ ہی گرم بستر، ایسے میں جن کو اللہ تعالی نے دیا ہے ان کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سردی کی سخت راتوں میں ان ضرورت مندوں کا بھی خیال رکھیں، ان کی سردی کو بھی دور کرنے کی کچھ کوشش کریں، اگر کچھ نیا نہیں دے سکتے تو کم از کم پرانا غیر استعمالی ہی صحیح، ان کو پہنا دیں تا کہ وہ بھی سردی کی سختیوں سے بچ سکیں۔ سردی کا موسم انسانی ہمدردی کے جذبہ کو بھی پروان چڑھاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم زمین والوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔" (ابوداود:2924) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: جو" مسلمان کسی مسلمان کو عریانی کی حالت میں کپڑے پہنائے اللہ تعالی اس کو جنت میں سبز جوڑے عطا کرے گا، جو مسلمان کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے تو اللہ تعالی اس کو جنت میں پھل اور میوے کھلائے گا، اور جو کوئی کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے اللہ تعالی اس کو نہایت نفیس شرابِ طہور پلائے گا، جس پر مہر لگی ہوئی ہوگی۔" (ترمذی:6832)

لکھا ہے کہ ترکی اور بلغاریا میں آج بھی سردیاں آتے ہی خلافتِ عثمانیہ کی یاد تازہ کرتے ہوئے اہل خیر گرم کپڑے درختوں پر لٹکا دیتے ہیں، جن پر ایک پرچی لکھی ہوتی ہے کہ جو مستحق ہے وہ پہن لے۔

علامہ ابن جوزیؒ نے اپنی کتاب ''صفۃ الصفوۃ'' میں مشہور تابعی حضرت صفوان بن سُلیمؒ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ سردی کے موسم میں ایک رات مسجد سے باہر نکلے، دیکھا کہ ایک شخص سردی سے کانپ رہا ہے اور اس کے پاس اپنے آپ کو سردی سے بچانے کے لیے کپڑے تک نہیں ہیں، چناں چہ انہوں نے اپنی قمیص اتار کر اس شخص کو پہنا دی، اسی رات بلادِ شام میں کسی نے خواب دیکھا کہ حضرت صفوان بن سلیمؒ صرف اسی قمیص کے صدقہ کرنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہوئے۔ وہ شخص اسی وقت مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا اور مدینہ منورہ آ کر حضرت صفوان بن سلیم کا پتہ پوچھا اور اپنا خواب بیان کیا۔ (صفۃ الصفوۃ:1 / 583 بحوالہ سردی کا موسم :81 از محمد سلمان) جس طرح ٹھنڈے موسم میں گرم چیزیں ہمیں پسند ہوتی ہیں اسی طرح ضرورت مندوں کے لیے اس کا اہتمام کرنے کی فکر اور کوشش کرنا یہ ہماری ذمہ داری ہے اور موسم سرما کا ایک سبق ہے۔

موسم سرما میں چوں کہ دن کا وقت مختصر ہو جاتا ہے اور رات کا وقت کافی طویل، اس لیے اوقات کی قدر دانی کرنا چاہیے، لمبی لمبی راتوں کو فضول گپ شپ، لایعنی مشغلوں میں ضائع نہیں کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا کی ہے تو اسے کار آمد بنانے کی فکر ہونی چاہیے، رات کے اوقات میں بہت سارے کام لکھنے، پڑھنے اور اعمال وعبادت انجام دینے کے ہو سکتے ہیں، تو اس کا کچھ نظام بنا کر استعمال کرنا چاہیے، تا کہ اتنی قیمتی راتیں بے کار نہ جائیں۔ کیا پتہ کہ زندگی میں آئندہ یہ ماہ وسال نصیب ہوں گے یا نہیں؟ حضرت حسن بصریؒ ایک مرتبہ ایک جنازے میں شریک ہوئے، تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، اس شخص پر جو آج جیسے دن (موت کے دن) کے لیے تیاری کرے۔ آج تو تم لوگ وہ سب کچھ کر سکتے ہو جو تمہارے یہ بھائی نہیں کر سکتے، جو قبروں میں پہنچ چکے ہیں۔ اپنی صحت اور فرصت کو غنیمت سمجھو اور نیک عمل کر لو، اس سے پہلے کہ گھبراہٹ اور حساب کتاب کا دن آ پہنچے۔

دین اور دنیا کی کامیابی اور بلند مقاصد کے حصول کے لیے وقت کا صحیح استعمال لازم ہے، سردیوں میں اگر دن کے اوقات میں زیادہ کام نہیں ہو پائے تو رات کا حصہ استعمال میں آ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا کرنی چاہیے، تا کہ کوئی موسم اور کوئی دن و رات، ماہ وسال ہمارے لیے نہ دنیوی مشقت کا ذریعہ ہو اور نہ ہی آخرت کے عذاب کا سبب۔ اللہ تعالیٰ تکلیفوں کو دور کرے اور راحتوں سے ہم کنار کرے اور امتحان وآزمائش سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

منتخبات اکابر

مولانا محمود الحسن مدراسی

فاسق کی تعریف اور اہل اللہ کی غیبت:

مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ والوں کی تو غیبت کی جاتی ہے، ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے، اور فساق و کفار کی تعریفیں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ حدیث میں وارد ہے: ''اذا مدح الفاسق غضب الرب و اھتز له العرش'' جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے تو حق تعالیٰ شانہ ناراض ہوتے ہیں اور عرش لرزنے لگتا ہے۔ (اسلامی سیاست، ص:6)

حق بات کہنے والا ہر شخص حکیم نہیں:

ہر حق بات کہنے والا حکیم نہیں، کبھی منافق بھی حق بات کہہ دیتا ہے۔ اس لیے محض ایک بات کسی کی سن کر اس کا معتقد نہ ہونا چاہیے۔ ہماری عادت یہ ہے کہ ایک تقریر کسی کی سنی یا ایک مضمون کسی کا پڑھا فوراً اس کے معتقد ہو گئے، ساتویں آسمان پر اس کو پہنچا دیا۔ بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ایک شخص کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ بددین ہے، فاسق ہے، مگر بات ہماری مرضی کے موافق کہہ رہا تو اس کو اتنا پکا دین دار ثابت کریں گے کہ معاذ اللہ نبوت کے قریب پہنچا دیں گے، پھر اسی کی کوئی بات اپنی رائے کے خلاف سنیں گے تو اس کو تحت الثریٰ میں پھینک دیں گے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک ہی شخص کے متعلق ہم صبح کو زندہ باد کہتے ہیں، شام کو مردہ باد کہنے لگتے ہیں۔ (ایضاً:8)

باہمی اختلاف کا حل:

یہ میرا بھی دل چاہتا ہے اور تمنا و دعا ہے کہ مسلمان خصوصاً اپنے اکابر ایک نظریے پر متفق ہو جائیں۔ اگر چہ اس میں تنگی ضرور ہو جائے گی کہ اختلاف کی وسعت جاتی رہے گی لیکن اور بہت سے مضرتوں سے خلاصی بھی ہو جائے گی۔ مگر اس کی صورت یہ ہے کہ ہر فریق دوسرے کے اکابر کو سب و شتم نہ کرے، نہ یہ کہ ان کے غیر واقعی عیوب پھیلائے، کہ اس میں نیکی برباد، گناہ لازم، بجائے نفع کے صرف نقصان ہے۔ بلکہ اس کی صورت یہ ہے کہ سمجھدار اور پکے لوگ، جو حالات سے بھی واقف ہوں اور اہل علم بھی ہوں کہ ہر بات کا شرعی درجہ سمجھ سکیں، متحمل مزاج بھی ہوں، آپس میں طویل طویل گفتگو کریں اور پکے صحیح حالات سنائیں اور ان کی سنیں، ان شاء اللہ کسی وقت میں اختلاف رفع ہو جائے گا۔ اور جو یہ نہ کر سکتے ہوں وہ ان کو معذور سمجھیں اور اپنی تقصیر پر میری طرح سے افسوس کریں، لیکن گالیاں دینا یہ عام مومنوں کو بھی جائز نہیں۔ (ایضاً:12-11)

بے علم تنقید کا انجام:

مجھے حیرت ہوتی ہے ان لوگوں پر جو پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل... دو اخبار پڑھ لیے یا ایک مہمل مضمون کسی اخبار میں لکھ دیا اور ان لوگوں پر تنقید شروع کر دیتے ہیں جو علوم کے سمندر پیے ہوئے ہیں۔ ہمیشہ یاد رکھو! کسی تنقید کرنے اور رد کرنے کے واسطے اس کی بات کی حقیقت، اس کے دلائل کی قوت معلوم ہونا ضروری ہے، یہ انتہائی حماقت ہے کہ بغیر بات سمجھے اناپ شناپ ہانکنا شروع کر دے۔ ہم لوگوں کی مثال اس بندر کی سی ہے کہ ایک ادرک کی گرہ کہیں سے اٹھالی اور اپنے آپ کو پنساری سمجھنے لگے۔ عالم میں کیسا انقلاب رونما ہو گیا ہے، اکابر کا احترام بالکل جاتا رہا ہے۔ پھر اگر اہل علم اپنے علم کی روشنی میں ان کے خلاف کوئی بات کہیں تب بھی ایک درجے میں گنجائش ہو سکتی ہے، مگر وہ اہل قلم جن کا منتہی علم ایک اخبار کا مضمون لکھ دینا یا ایک سستی تقریر کر دینا ہے، ایسے بے جا الفاظ سے رد کر دیتے ہیں جو اپنے سے چھوٹوں کے لیے بھی استعمال کرنا ناموزوں ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر میری استعجاب کی انتہا نہیں رہتی۔ میری ایک نصیحت بہت غور سے سنو! ''ہمیشہ ایسی چیزوں پر لب کشائی کرو جس کے پورے مالہ وماعلیہ پر عبور ہو!'' (ایضاً: ۲۲-۲۳)

اختلاف اور گستاخی کا رویہ:

مجھے حیرت ہے کہ ہم لوگ ذرا سے اختلاف سے کتنا مشتعل ہو جاتے ہیں اور پھر ایسے لوگوں کی شان میں گستاخیاں اور بے ادبیاں شروع کر دیتے ہیں جن کو ہم اپنا مقتدا، اپنا رہبر بھی مانتے ہیں۔ اور جس قوم کے مقتداؤں کا یہ حال ہو، جو ہم لوگ اپنے تحریروں اور تقریروں میں لکھتے اور کہتے ہیں، تو مقتدیوں کا حال خود ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں ہم صرف ان اکابر ہی کی شان میں گستاخی نہیں کرتے بلکہ اپنی نااہلیت اور نالائقی کا بھی ڈنکا بجاتے ہیں۔ (ایضاً:۲۹-۲۸)

زندگی کا اصل مقصد:

دنیا کی زندگی بہت تھوڑی ہے، آدمی کو اس میں کوئی دین کا کام ضرور ہی کرنا چاہیے، اور اصل یہ ہے کہ صرف دین ہی کے لیے آدمی پیدا کیا گیا ہے۔ اگر آدمی دین کے کسی کام میں نہ لگے تو اس میں اور چوپایوں میں کیا فرق ہے؟ محض کھانے پینے میں تو حیوانات ہم سے بڑھے ہوئے ہیں۔ (ایضاً:30)

تقریر میں اعتدال کی ضرورت:

ایک عارضہ یہ بھی پیش آ گیا کہ جلسوں میں مقررین تقاریر کے زور میں ایسے اونچے اونچے لفظ فرما دیتے ہیں کہ ان پر سکوت شرعاً مشکل معلوم ہوتا ہے، اور بولنے سے اختلاف کی خلیج وسیع ہوتی ہے اور جلسے میں گڑبڑ پیدا ہوتی ہے۔ مقررین کی تقریر ہی جب مؤثر ہوتی ہے جب وہ جوش میں ان کہنی بھی کہہ جائیں، اور ہر چیز پر یہ سوچ کہ یہ کہنا جائز تھا یا نہیں۔ (ایضاً:32)

طلبہ اور جلسوں میں شمولیت کا اثر:

تجربہ اور سرسری غور سے اصولاً بھی میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ طلبہ کا جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونا ایسا نہیں ہے کہ وہ محض وقتی چیز ہو، ہفتوں نہیں تو کئی کئی دن تک ان کا ذکر تذکرہ، ان پر تبصرہ، ان کا حسن وقبح، طلبہ کی مجالس کا اہم مشغلہ رہتا ہے۔ پھر ان کی اجتماعی زندگی ایک دار الطلبہ میں ان کا مجموعی قیام چوبیس گھنٹے کا ساتھ، اس مناظرے اور گفتگو کو ختم بھی نہیں ہونے دیتا۔ ہر مجلس میں یہی تذکرہ، ہر وقت یہی بحث، کہاں کا مطالعہ، کہاں کا تکرار اور کہاں کا سبق۔ (ایضاً:37)

اساتذہ کا احترام اور علمی برکت:

جماعت کے سب طلبہ مدرس کے ہم خیال نہیں ہوتے، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جن کی وہ تعریف کر رہا ہے وہ اکثر طلبہ کی نگاہ میں تنقید کے قابل ہوتے ہیں، اور جن کی مدرس تنقید کر رہا ہے طلبہ اکثر نہیں تو معتدبہ اس کے حامی ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ وہ مدرس ان طلبہ کی نگاہ میں بے وقعت ہوتا ہے، کج فہم اور متعصب بنتا ہے۔ اور جب طلبہ کے تخیلات مدرس کی طرف سے یہ ہوں گے تو علمی انتفاع معدوم۔ یہ طے شدہ امر ہے اور عادۃُ اللہ ہمیشہ سے یہی جاری ہے کہ اساتذہ کا احترام نہ کرنے والا کبھی بھی علم سے منتفع نہیں ہوسکتا۔ (ایضاً:38)

اخلاص اور شہرت کا امتحان:

اللہ کے واسطے اور خالص اللہ کے واسطے ہونے کی تو ہر ہی کام میں ضرورت ہے، مگر بعض کام ایسے ہوتے ہیں جن میں شہرت اور فخر ونمود کے اسباب زیادہ پیدا ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح سے دنیوی اغراض کے حصول کا داعیہ قوی ہوجاتا ہے، اور جس چیز میں جتنی شہرت کے اسباب قوی ہوتے اتنے ہی اہتمام سے اس میں احتیاط کی ضرورت درپیش ہوجاتی ہے۔ (ایضاً:49)

دینی خدمت اور محدود نظریہ:

تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا سچا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو امتِ محمدیہ کے فضائل اور ان کی خوبیوں میں ترقیات کے اسباب بہم پہنچائیں، اور امت اس رحمت کو تنگ کرے۔ ہر شخص جو کسی دینی مشغلے میں لگا ہوا ہے، تعلیم ہو، تبلیغ ہو، جہاد ہو، سلوک ہو، وہ اپنے اس سلسلے کے علاوہ باقی سب کو لغو، بے کار، وقت کی اضاعت حتیٰ کہ گمراہی کہنے سے بھی نہ جھجکے۔ دینِ اسلام جو ہر نوع سے نہایت سہل تھا، اس کو مشکل بنایا جاتا ہے، اور دینی ترقی کے لاتعداد ابواب کو اسی ایک باب میں منحصر کیا جاتا ہے جس پر وہ خود چل رہے ہیں، اور اس کے علاوہ باقی سب ابواب کو گویا دین سے خارج کیا جاتا ہے۔ (ایضاً:56)

غلو سے احتراز اور توازن کی راہ:

احکامِ شرعیہ میں بھی ہر چیز کا ایک درجہ ہے کہ اس سے نہ گھٹانا چاہیے نہ بڑھانا۔ محض اس وجہ سے کہ ہم ایک کام میں لگے

ہوئے ہیں یا ہمارے نزدیک ایک کام اہم ہے، باقی ساری عبادات پر اور دوسرے سارے دینی کاموں پر پانی پھیر دینا سخت ناانصافی ہے۔ میرا مقصود یہ نہیں کہ اس کی ترغیب نہ دی جائے یا دوسروں کو اس طرف متوجہ نہ کیا جائے، میرا مقصود یہ ہے کہ اس میں اتنا غلو نہ کیا جائے جو حدود سے متجاوز ہو جائے کہ نہ اس کے مقابلے میں کوئی فرض رہے نہ واجب نہ عذر رہے نہ معذرت۔ جو لوگ اس کے سلسلے میں منسلک نہ ہو وہ جہنمی بنا دیے جائیں، وہ بے ایمان اور کافروں میں شمار کر دیے جائیں۔(ایضاً:59-58)

کامل نظامِ زندگی:

﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ کیا ہی مبارک تمغہ ہے، کتنا مسرور بنا دینے والا امتیاز ہے! ایسے مکمل دین کے دعویدار، ایسے کامل مذہب کے پیرو اس میں پریشان ہوں کہ مسلمان کیا کریں؟ اللہ پاک نے اور اس کے سچے رسول نے دین و دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی یا چھوٹی سے چھوٹی ضرورت ایسی باقی نہیں چھوڑی جس کے متعلق صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں احکام نہ بیان فرما دیے ہوں، ان کے منافع اور نقصانات نہ بتا دیے ہوں، اور پھر سب کچھ محض زبانی تلقین اور کتابی تعلیم نہیں ہے، بلکہ اللہ کے سچے رسول اور رسول کی فریفتہ جماعت نے ان سب کو عملی جامہ پہنا کر ان پر عمل کر کے اس کا تجربہ بھی کرا دیا ہے۔(ایضاً:60)

اتباعِ سنت اور ہماری غفلت:

الغرض دین و دنیا کی بہبود بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی میں مضمر و منحصر ہے، مگر جب ہم لوگ رسول کی اتباع کو دقیانوسیت اور آپ کی سنتوں پر مر مٹنے کو تنگ نظری سمجھیں تو آخرت کا جو حشر ہونے والا ہے وہ ظاہر ہے، اور دنیا کا جو ہو رہا ہے وہ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک حرکت و سکون صحابۂ کرام اور محدثینِ عظام رضی اللہ عنہم اجمعین کے طفیل آج کتابوں میں محفوظ ہے۔ ایک طرف اس کو سامنے رکھو، دوسری طرف امت کے حالات دیکھو، حضور کی ایک ایک سنت دیدہ و دانستہ، دلیری اور جرات سے چھوڑی جا رہی ہے، اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کا مقابلہ کیا جا رہا ہے، اس کی طرف متوجہ کرنے والوں کو احمق اور دین کا ناسمجھ کہا جا رہا ہے۔ کیا اس ظلمِ عظیم کی کوئی حد ہے؟ اور ایسی صورت میں مسلمانوں کو پریشانی کی شکایت کرنے کا کیا منہ ہے؟ اور تقریروں تحریروں میں یہ شور مچانے کا کیا حق ہے کہ مسلمان تباہ ہو گئے؟

آنچہ بر ماست از ماست
خود کردہ را علاجے نیست

(ایضاً:61-60)

فقہ وفتاوی

ادارہ

پَب جِی Pub G گیم کھیلنے کا حکم؟

پب جی (PUBG) گیم میں مختلف شرعی مفاسد پائے جاتے ہیں، جن میں چند حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ گیم محض لایعنی ہے، اس میں وقت، صحت اور دماغی قوت وطاقت کی بربادی کے علاوہ کوئی قابل ذکر دینی یا دنیوی فائدہ نہیں ہے، اور اسلام اس طرح کی لایعنی وبے فائدہ، بلکہ وقت وغیرہ برباد کرنے والی چیزوں کی اجازت نہیں دیتا۔

(۲) جو شخص اس گیم میں لگتا ہے، وہ اس کا ایسا رسیہ اور عادی ہوجاتا ہے کہ اُسے نماز وغیرہ کیا؟ بہت سے دنیوی ضروری کاموں کا بھی ہوش نہیں رہتا، اور اسلام میں اس طرح کا کوئی کھیل جائز نہیں اگرچہ اس میں بے شمار ظاہری فوائد ہوں۔

(۳) جو لوگ اس گیم کو بار بار کھیلتے ہیں، ان کا ذہن منفی ہونے لگتا ہے اور گیم کی طرح وہ واقعی دنیا میں بھی مار دھاڑ وغیرہ کے کام سوچتے ہیں، جس کی وجہ سے مختلف حادثات اور واقعات کا خطرہ رہتا ہے، بلکہ بعض مرتبہ خطرہ حقیقت بھی بن جاتا ہے (جیسا کہ واقعات شاہد ہیں)۔

(۴) اس گیم میں کارٹون کی شکل میں تصاویر پائی جاتی ہیں اور اسلام میں جان دار کی تصویر ناجائز ہے۔

(۵) یہ گیم موبائل یا کمپیوٹر پر نیٹ کنکشن کے ساتھ ہی کھیلا جاسکتا ہے، اس کے بغیر نہیں اور بعض اصحاب نظر کی رائے یہ ہے کہ یہودی لابی، اس گیم کے ذریعہ لوگوں (بالخصوص مسلمانوں) کا پرسنل ڈاٹا محفوظ کرنا چاہتی ہے، تاکہ بچے کھچے چند مسلمانوں میں جو کچھ عفت وپاک دامنی وغیرہ باقی رہ گئی ہے، اسے تارتار کردیا جائے اور پوری دنیا کو شیطانی جال کا شکار بنادیا جائے۔

اس لئے شریعت اسلامیہ کی رو سے پوب جی گیم کھیلنا ہرگز جائز نہیں ہے، لوگوں کو اس طرح کی چیزوں سے بہت زیادہ دور رہنے کی ضرورت ہے، اللہ تعالی حفاظت فرمائیں۔

”وکرہ تحریما اللعب بالنرد وکذا الشطرنج... وھذا إذا لم یقامر لم یداوم ولم یخل بواجب وإلا فحرام بالإجماع (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ، فصل فی البیع وغیرہ، ۵۶۵، ۵۶۴: ۹، ط: مکتبۃ زکریا دیوبند)۔

قولہ: ”الشطرنج“: معرب شدرنج، وإنما کرہ لأن من اشتغل بہ ذھب عناؤہ الدنیوي وجاءہ العناء الأخروي، فھو حرام وکبیرۃ عندنا، وفي إباحتہ إعانۃ الشیطان علی الإسلام والمسلمین کما فی

الكافي، قهستاني (رد المحتار)۔ أجمع المسلمون على أن اللعب بالشطرنج حرام إذا كان بعوض أو تضمن ترک واجب مثل تأخير الصلاة عن وقتها، و كذلک إذا تضمن كذبا أو ضررا أو غير ذلک من المحرمات (الموسوعة الفقهية، ۱۷۱: ۲۷/۳۷)۔ و ذهب الحنفية إلى رد شهادة لاعب الشطرنج بواحد مما يلي: إذا كان عن قمار أو فوت الصلاة بسببه أو أكثر من الحلف عليه أو اللعب به على الطريق أو ذكر عليه فسقا (المصدر السابق، ۲۷۲: ۳۵)۔

پلاسٹک اور کاسمیٹک سرجری کا حکم

سوال......: ۱- کوئی ایسی شکل وصورت کے ساتھ پیدا ہوا ہے جو مناسب سطح سے کم معلوم ہوتی ہے، تو کیا ایسا شخص اپنی شکل وصورت میں بہتری اور جمالیاتی اضافہ کے لیے کاسمیٹک سرجری کروا سکتا ہے؟

۲- کوئی قابل قبول شکل وصورت کے ساتھ پیدا ہوا تھا، لیکن کسی حادثہ وغیرہ کی وجہ سے جسم پر کوئی داغ، نشان، وغیرہ لگ جائے، تو کیا ایسا شخص کاسمیٹک سرجری کے ذریعہ اپنا عیب درست کر سکتا ہے؟

۳- عمر کے ۴۰/سال کے بعد عمر کم کرنے والی کاسمیٹک سرجری (anti aging) کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب......: اگر پلاسٹک سرجری یا کاسمیٹک سرجری کا مقصد خوب صورتی اور حسن میں اضافہ ہو تو اس کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔ اور اگر مقصد ازالہ عیب اور علاج ہو تو شرعی حدود میں رہتے ہوئے اس کی اجازت ہے۔

صرف ڈھیلے سے استنجاء کر کے نماز پڑھنے کا حکم

سوال......: ۱- ایک آدمی نے چھوٹا پیشاب کرنے کے بعد ڈھیلے سے استنجاء کر لیا، پانی استعمال نہیں کیا اور پانی سے استنجاء کیے بغیر بھول سے نماز پڑھ لی، اب یہ شخص اپنی نماز دوبارہ پڑھے یا نماز ادا ہو گئی؟

۲- اگر کوئی چھوٹا پیشاب کرنے کے بعد صرف ڈھیلے سے استنجاء کر کے قصداً نماز پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟

جواب......: واضح رہے کہ پانی استعمال کیے بغیر صرف ڈھیلے سے استنجاء کر کے نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو جاتی ہے، حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے جو شخص قضائے حاجت کے لیے جائے، تو اپنے ساتھ تین پتھر لے کر جائے، تاکہ وہ ان سے استنجاء کرے، یقیناً یہ اس کے لیے کافی ہوں گے“۔

(۱) لہٰذا صورت مسئولہ میں مذکورہ شخص کے پانی استعمال کیے بغیر صرف ڈھیلے سے استنجاء کر کے نماز پڑھنے سے نماز ادا ہو گئی ہے، دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

(۲) اگر قصداً صرف ڈھیلے سے استنجاء کر کے نماز پڑھ لے تب بھی نماز ادا ہو جائے گی، البتہ افضل یہی ہے کہ پانی اور ڈھیلے دونوں کے ساتھ استنجاء کرے۔

افسانہ

قصہ چہار درویش

قسط:۷ از: میر امن دہلوی

سیر پہلے درویش کی

(گذشتہ سے پیوستہ) غرض سب اسباب پادشاہانہ موجود ہے، اور کنچنیاں، بھانڈ، بھگتیے، کاونت، قوال، اچھی پوشاک پہنے ساز کے سُر ملائے حاضر ہیں۔ فقیر نے اُس جوان کو لے جا کر مسند پر بٹھایا اور دل میں حیران تھا کہ یا الٰہی! اتنے عرصے میں یہ سب تیاری کیوں کر ہوئی؟ ہر طرف دیکھتا پھرتا تھا لیکن اُس پری کا نشان کہیں نہ پایا۔ اسی جستجو، میں ایک مرتبہ باورچی خانے کی طرف جا نِکلا، دیکھتا ہوں تو وہ نازنیں ایک مکان میں گلے میں کُرتی، پانو میں تہ پوشی، سر پر سفید رومالی اوڑھے ہوئے سادی خوزادی بن گہنے پاتے بنی ہوئی۔

نہیں محتاج زیور کا جسے خوبی خدا نے دی کہ جیسے خوش نما لگتا ہے دیکھو چاند بن گہنے

خبر گیری میں ضیافت کے لگ رہی ہے اور تاکید ہر ایک کھانے کی کر رہی ہے کہ خبر دار بامزہ ہو اور آب و نمک بو باس درست رہے، اس محنت سے وہ گلاب سا بدن سارا پسینے پسینے ہو رہا ہے۔

میں پاس جا کر تصدق ہوا اور اس شعور و لیاقت کو راہ کر دعائیں دینے لگا۔ یہ خوشامد سُن کر تیوری چڑھا کر بولی، آدمی سے ایسے کام ہوتے ہیں کہ فرشتے کی مجال نہیں، میں نے ایسا کیا کِیا ہے جو تو اتنا حیران ہو رہا ہے؟ بس بہت باتیں بنانی مجھے خوش نہیں آتیں۔ بھلا کہ تو یہ آدمیت ہے کہ مہمان کو اکیلا بٹھلا کر اِدھر اُدھر پڑے پھرے؟ وہ اپنے جی میں کیا کہتا ہوگا؟ جلد جا مجلس میں بیٹھ کر مہمان کی خاطر داری کر اور اُس کی معشوقہ کو بھی بُلوا کر اُس کے پاس بٹھلا۔ فقیر و نھیں اُس جوان کے پاس گیا اور گرم جوشی کرنے لگا۔ اتنے میں دو غلام صاحب جمال صراحی اور جام جڑاؤ ہاتھ میں لیے روبرو آئے، شراب پلانے لگے۔ اِس میں میں نے اُس جوان سے کہا، میں سب طرح مخلص اور خادم ہوں بہتر یہ ہے کہ وہ صاحبِ جمال کہ جس کی طرف دِل صاحب کا مائل ہے تشریف لاوے تو بڑی بات ہے۔ اگر فرماؤ تو آدمی بُلانے کی خاطر جاوے۔ یہ سُنتے ہی خوش ہو کر بولا بہت اچھا، اِس وقت تم نے میرے دل کی بات کہی۔ میں نے ایک خوجے کو بھیجا، جب آدھی رات گئی وہ چڑیل خاصے چوڈول پر سوار ہو کر بلائے ناگہانی سی آ پہنچی۔

فقیر نے لاچار خاطر سے مہمان کی استقبال کر کر نہایت تپاک سے برابر اُس جوان کے لا بٹھایا۔ جوان اُس کے دیکھتے ہی ایسا خوش ہوا جیسے دُنیا کی نعمت ملی۔ وُہ بھتنی بھی اُس جوان پری زاد کے گلے لپٹ گئی۔ سچ مچ یہ تماشا ہوا جیسے

چودھویں رات کے چاند کو گہن لگتا ہے۔ جتنے مجلس میں آدمی تھے، اپنی اپنی اُنگلیاں دانتوں میں دابنے لگے کہ کیا کوئی بلا اِس جوان پر مسلط ہوئی؟ سب کی نگاہ اُسی طرف تھی، تماشا مجلس کا بھول کر اُس کا تماشا دیکھنے لگے۔ ایک شخص کنارے سے بولا، یارو! عشق اور عقل میں ضد ہے، جو کچھ عقل میں نہ آوے یہ کافر عشق کر دِکھاوے، لیلیٰ کو مجنوں کی آنکھوں سے دیکھو، سبھوں نے کہا آمنّا، یہی بات ہے۔

یہ فقیر بہ موجب حکم کے مہمان داری میں حاضر تھا، ہر چند جوان ہم پیالہ ہم نوالہ ہونے کو مجوز ہوتا تھا، پر میں ہرگز اُس پری کے خوف کے مارے اپنا دل کھانے پینے یا سیر تماشے کی طرف رجوع نہ کرتا تھا۔ اور عُذر مہمان داری کا کر کے اُس کے شامل نہ ہوتا۔ اسی کیفیت سے تین شبانہ روز گزرے۔ چوتھی رات وہ جوان نہایت جوشش سے مجھے بُلا کر کہنے لگا، اب ہم بھی رُخصت ہوں گے، تمہاری خاطر اپنا سب کاروبار چھوڑ چھاڑ تین دن سے تمہاری خدمت میں حاضر ہیں۔ تم بھی تو ہمارے پاس ایک دم بیٹھ کر ہمارا دل خوش کرو۔ میں نے اپنے جی میں خیال کیا اگر اس وقت کہا اس کا نہیں مانتا تو آزردہ ہوگا، پس نئے دوست اور مہمان کی خاطر رکھنی ضرور ہے، تب یہ کہا، صاحب کا حکم بجالانا منظور کہ الامر فوق الادب۔ سُنتے ہی اس کو، جوان نے پیالہ تواضع کیا اور میں نے پی لیا۔ پھر تو ایسا پیہم دَور چلا کہ تھوڑی دیر میں سب آدمی مجلس کے کیفی ہو کر بے خبر ہو گئے، اور میں بھی بے ہوش ہو گیا۔

جب صبح ہوئی اور آفتاب دو نیزے بلند ہوا، تب میری آنکھ کھلی تو دیکھا میں نے نہ وہ تیاری ہے نہ وہ مجلس نہ وہ پری، فقط خالی حویلی پڑی ہے مگر ایک کونے میں کمل لپٹا ہوا دھرا ہے۔ جو اُس کو کھول کر دیکھا تو وہ جوان اور اس کی رنڈی دونوں سر کٹے پڑے ہیں۔ یہ حالت دیکھتے ہی حواس جاتے رہے، عقل کچھ کام نہیں کرتی کہ یہ کیا تھا اور کیا ہوا؟ حیرانی سے ہر طرف تک رہا تھا، اتنے میں ایک خواجہ سرا (جسے ضیافت کے کام کاج میں دیکھا تھا) نظر پڑا۔ فقیر کو اُس کے دیکھنے سے کچھ تسلی ہوئی، احوال اس واردات کا پوچھا۔ اُس نے جواب دیا تجھے اس بات کی تحقیق کرنے سے کیا حاصل جو تُو پوچھتا ہے؟ میں نے بھی اپنے دل میں غور کی کہ سچ تو کہتا ہے، پھر ایک ذرا تامل کر کے میں بولا خیر نہ کہو، بھلا یہ تو بتاؤ وہ معشوقہ کس مکان میں ہے؟ تب اُس نے کہا البتہ جو میں جانتا ہوں، سو کہہ دوں گا، لیکن تجھ سا آدمی عقل مند بے مرضی حضور کے دو دن کی دوستی پر بے محابا بے تکلف ہو کر صحبت مے نوشی کی باہم گرم کرے، یہ کیا معنی رکھتا ہے؟

فقیر اپنی حرکت اور اُس کی نصیحت سے بہت نادم ہوا۔ سوائے اِس بات کے زبان سے کچھ نہ نکلا، فی الحقیقت اب تو تقصیر ہوئی معاف کیجیے، بارے محلی نے مہربان ہو کر اُس پری کے مکان کا نشان بتایا اور مجھے رُخصت کیا، اپ اُن دونوں زخمیوں کے گاڑنے دابنے کی فکر میں رہا۔ میں تہمت سے اُس فساد کے الگ ہوا اور اشتیاق میں اُس پری کے ملنے کے لیے گھبرایا ہوا، گرتا پڑتا ڈھونڈھتا شام کے وقت اُس کوچے میں اسی پتے پر جا پہنچا اور نزدیک دروازے کے ایک گوشے میں ساری رات تلملاتے کٹی، کسو کی آمد و رفت کی آہٹ نہ ملی۔ اور کوئی احوال پُرساں میرا نہ ہوا۔ اُسی بے کسی کی حالت میں صبح ہوگئی،

جب سورج نِکلا اُس مکان کے بالا خانے کی ایک کھڑکی سے وہ ماہ رو میری طرف دیکھنے لگی۔ اُس وقت عالم خوشی کا جو مجھ پر گُزرا، دِل ہی جانتا ہے، شکر خدا کا کیا۔

اتنے میں ایک خوجے نے میرے پاس آ کر کہا، اس مسجد میں تو جا کر بیٹھ، شاید تیرا مطلب اس جگہ بر آوے اور اپنے دل کی مراد پاوے۔ فقیر فرمانے سے اُس کے وہاں سے اُٹھ کر اُسی مسجد میں جا رہا، لیکن آنکھیں دروازے کی طرف لگ رہی تھی کہ دیکھیے پردہ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟ تمام دِن جیسے روزہ دار شام ہونے کا انتظار کھینچتا ہے، میں نے بھی دو روز ویسی ہی بے قراری میں کاٹا۔ بارے جس تس طرح سے شام ہوئی اور دِن پہاڑ سا چھاتی پر سے ٹلا۔ ایک بارگی وہی خواجہ سرا (جن نے اُس پری کے مکان کا پتا بتا دیا تھا) مسجد میں آیا۔ بعد فراغت نماز مغرب کے میرے پاس آ کر اُس شفیق نے (کہ سب راز و نیاز کا محرم تھا) نہایت تسلی دے کر ہاتھ پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لے چلا، رفتہ رفتہ ایک باغیچے میں مجھے بٹھا کر کہا یہاں رہو، جب تک تمہاری آرزو بر آوے، اور آپ رخصت ہو کر شاید میری حقیقت حضور میں کہنے گیا۔ میں اُس باغ کے پھولوں کی بہار اور چاندنی کا عالم اور حوض نہروں میں فوارے ساون بھادوں کے اُچھلنے کا تماشا دیکھ رہا تھا، لیکن جب پھولوں کو دیکھتا تب اُس گلبدن کا خیال آتا، جب چاند پر نظر پڑتی تب اُس مہ رو کا مکھڑا یاد کرتا، یہ سب بہار اُس کے بغیر میری آنکھوں میں خار تھی۔

بارے خدا اُس کے دل کو مہربان کیا، ایک دم کے بعد وہ پری دروازے سے جیسے چودھویں رات کا چاند بناؤ کیے گلے میں پشواز بادلے کی سنجاف کی موتیوں کا دردامن ٹکا ہوا اور سر پر اوڑھنی جس میں آنچل پلو لہر گوکھرو لگا ہوا، سر سے پانو تک موتیوں میں جڑی روش پر آ کر کھڑی ہوئی۔ اُس کے آنے سے تر و تازگی نئے سر سے اُس باغ کو فقیر کے دل کو ہو گئی۔ ایک دم اِدھر اُدھر سیر کر کر شہ نشین میں مغرق مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھی۔ میں دوڑ کر پروانے کی طرح جیسے شمع کے گرد پھرتا ہے تصدق ہوا اور غلام کے مانند دونوں ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہوا۔ اس میں وہ خوجہ میری خاطر بہ طور سفارش کے عرض کرنے لگا۔ میں نے اس محلی سے کہا بندہ گنہ گار تقصیروار ہے، جو کچھ سزا میرے لائق ٹھہرے، سو ہو۔ وہ پری از بس کہ ناخوش تھی، بد دماغی سے بولی کہ اب اس کے حق میں یہی بھلا ہے کہ سو توڑے اشرفی کے لیوے، اپنا اسباب درست کر کے وطن کو سدھارے۔ میں یہ بات سنتے ہی کاٹھ ہو گیا اور سوکھ گیا کہ اگر کوئی میرے بدن کو کاٹے تو ایک بوند لہو کی نہ نکلے اور تمام دنیا آنکھوں کے آگے اندھیری لگنے لگی، اور ایک آہ نامرادی کی بے اختیار جگر سے نکلی، آنسو بھی ٹپکنے لگے۔ سوائے خدا کے اس وقت کسو کی توقع نہ رہی، مایوس محض ہو کر اتنا بولا، بھلا ٹک اپنے دل میں غور فرمایئے، اگر مجھ کم نصیب کو دُنیا کا لالچ ہوتا تو اپنا جان و مال حضور میں نہ کھوتا۔ کیا ایک بارگی حق خدمت گزاری اور جاں نثاری کا عالم اُٹھ گیا؟ جو مجھ سے کم بخت پر اتنی بے مہری فرمائی۔ خیر اب میرے تئیں بھی زندگی سے کچھ کام نہیں، معشوقوں کی بے وفائی سے بے چارے عاشقِ نیم جاں کا تباہ نہیں ہوتا۔

یہ سُن کر تیکھی ہو تیوری چڑھا کر خفگی سے بولی، چہ خوش! آپ ہمارے عاشق ہیں؟ مینڈکی کو بھی زکام ہوا؟ اے بے وقوف! اپنے حوصلے سے زیادہ باتیں بنانی خیالِ خام ہے، چھوٹا منہ بڑی بات۔ بس چپ رہ یہ نکمی بات چیت مت کر، اگر کسی

اور نے یہ حرکتِ بے معنی کی ہوتی، پروردگار کی سوں اس کی بوٹیاں کٹوا چیلوں کو بانٹتی، پر کیا کروں؟ تیری خدمت یاد آتی ہے اب اسی میں بھلائی ہے کہ اپنی راہ لے، تیری قسمت کا دانا پانی ہماری سرکار میں یہیں تلک تھا۔ پھر میں نے روتے بسورتے کہا، اگر میری تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ اپنے دل کے مقصد کو نہ پہنچوں اور جنگل پہاڑ میں سر ٹکراتا پھروں تو لاچار ہوں۔ اس بات سے بھی دِق ہو کہنے لگی، میرے تئیں یہ پُھسا ہندے چوچلے اور رمزکی باتیں پسند نہیں آتیں، اس اشارے کی گفتگو کی جو لائق ہو، اُس سے جا کر کر۔ پھر اُسی خفگی کے عالم میں اُٹھ کر اپنے دولت خانے کو چلی۔ میں نے بہتیرا سر پٹکا، متوجہ نہ ہوئی۔ لاچار میں بھی اُس مکان سے اُداس اور نا اُمید ہو کر نکلا۔

غرض چالیس دن تک یہی نوبت رہی۔ جب شہر کی کوچہ گردی سے اُکتاتا، جنگل میں نکل جاتا۔ جب وہاں سے گھبراتا، پھر شہر کی گلیوں میں دیوانہ سا آتا، نہ دن کو کھاتا نہ رات کو سوتا، جیسے دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ زندگی انسان کی کھانے پینے سے ہے۔ آدمی اناج کا کیڑا ہے۔ طاقت بدن میں مطلق نہ رہی، اپاہج ہو کر اُسی مسجد کی دیوار کے تلے جا پڑا کہ ایک روز وہی خواجہ سرا جمعے کی نماز پڑھنے آیا، میرے پاس سے ہو کر چلا، میں یہ شعر آہستہ ناطاقتی سے پڑھ رہا تھا:

اس دردِ دل سے موت ہو یا دل کو تاب ہو قِسمت میں جو لکھا ہو الٰہی شتاب ہو

اگرچہ ظاہر میں صورت میری بالکل تبدیل ہو گئی تھی، چہرے کی یہ شکل بنی تھی کہ جن نے مجھے پہلے دیکھا تھا، وہ بھی نہ پہچان سکتا کہ یہ وہی آدمی ہے۔ لیکن وہ محلی آوازِ درد سن کر متوجہ ہوا، میرے تئیں بہ غور دیکھ کر افسوس کیا اور شفقت سے مخاطب ہوا کہ آخر یہ حالت اپنی پہنچائی۔ میں نے کہا، اب تو جو ہوا سو ہوا، مال سے بھی حاضر تھا، جان بھی تصدق کی، اس کی خوشی یوں ہی ہوئی تو کیا کروں؟

یہ سُن کر ایک خدمت گار میرے پاس چھوڑ کر مسجد میں گیا۔ نماز اور خطبے سے فراغت کر کر جب باہر نکلا، فقیر کو ایک میانے میں ڈال کر اپنے ساتھ خدمت میں اُس پری بے پروا کی لے جا کر چق کے باہر بٹھایا۔ اگرچہ میری روہٹ کچھ باقی نہ رہی تھی پر مدت تلک شب و روز اُس پری کے پاس اتفاق رہنے کا ہوا تھا، جان بوجھ کر بے گانی ہو کر پوچھنے لگی، یہ کون ہے؟ اُس مرد آدمی نے کہا، یہ وہی کم بخت بدنصیب ہے جو حضور کی خفگی اور عتاب میں پڑا تھا۔ اُسی سبب سے اس کے یہ صورت بنی ہے۔ عشق کی آگ سے جلا جاتا ہے۔ ہر چند آنسوؤں کے پانی سے بجھاتا ہے پر وہ دونی بھڑکتی ہے، کچھ فائدہ نہیں ہوتا، علاوہ اپنی تقصیر کی خجالت سے مواجاتا ہے۔ پری نے ٹھٹھولی سے فرمایا، کیوں جھوٹ بکتا ہے؟ بہت دن ہوئے اُس کی خبر وطن پہنچنے کی مجھے خبرداروں نے دی ہے۔ واللہ اعلم، یہ کون ہے اور تو کس کا ذکر کرتا ہے؟ اُس دم خواجہ سرا نے ہاتھ جوڑ کر التماس کیا، اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کروں۔ فرمایا کہ تیری جان تجھے بخشی۔ خوجا بولا، آپ کی ذات قدردان ہے، واسطے خدا کے چلون کو درمیان سے اُٹھوا کر پہچانیے اور اس کی بےکسی کی حالت پر رحم کیجیے۔ ناحق شناسی خوب نہیں۔ اب اِس کے احوال پر جو کچھ ترس کھائیے، بجا ہے اور جائے ثواب ہے۔ آگے حدِ ادب جو مزاج مبارک میں آوے سو ہی بہتر ہے۔ (جاری)

جامعۃ السعادۃ واسعاد البنات کیرانہ

شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

’’جامعۃ السعادۃ‘‘ مغربی یوپی کے مردم خیز قصبہ ’’کیرانہ، شاملی‘‘ کا ایک عظیم ومنفرد ادارہ ہے۔ جس کے مقاصد میں سے قرآن وحدیث کی ترویج واشاعت کے ساتھ، ایسے باصلاحیت رجال کار تیار کرنا ہے، جو ملت اسلامیہ کی علمی، دینی اورفکری قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں اور اپنی خوابیدہ قوم کو بیدار کرسکیں۔

یہ ادارہ ۱۴۲۸ھ سے علم کی شمع جلانے اور اس کی لو کو تیز کرنے میں مصروف ہے، بچوں اور بچیوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ، عربی، اردو اور انگریزی زبان بولنے ولکھنے کی ان کے اندر صلاحیت پیدا کرنے اور صحیح ڈھنگ سے ان کی تربیت کرنے، نیز عوام الناس میں دینی بیداری پیدا کرنے اور انہیں اسلامی تعلیمات سے واقف کرانے کے لئے اس کے خصوصی تعلیمی وتربیتی پروگرام اور انتہائی علمی ووقیع ماہ نامہ ’’تحقیقات اسلامی‘‘ کی پابندی کے ساتھ اشاعت ایسے کارنامے ہیں کہ کم ہی ادارے اس قلیل مدت میں اس منزل کو حاصل کرپاتے ہیں۔ جامعہ کی مستقل اپنی انتہائی خوبصورت ودیدہ زیب دومنزلہ عمارت ہے، جس میں تعلیمی، تربیتی اور دعوتی ۱۴ رشعبے قائم ہیں۔ طلبہ کی ایک کثیر تعداد دار الاقامہ میں مقیم ہے جن کے قیام وطعام اور لباس وفوری علاج کا جامعہ کفیل ہے اور دیگر ہر طرح کی سہولیات انہیں فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جامعہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے ملحق ہے، اور دار العلوم ندوۃ العلماء ہی کے نصاب کے مطابق ثانویہ اولیٰ سے عالیہ ثانیہ تک کی تعلیم کے ساتھ حفظ مع تجوید، ناظرہ قرآن کریم، دینیات اور حکومت ہند سے منظور شدہ: جامعۃ السعادۃ پبلک اسکول کے تحت درجہ آٹھ تک کی تعلیم ماہر اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے۔

جب کہ بچیوں کی خصوصی تعلیم وتربیت کے لئے علاحدہ سے ’’جامعہ اسعاد البنات‘‘ قائم ہے۔ اس کی بھی دومنزلہ انتہائی محفوظ ،خوبصورت اور ہر طرح کی سہولیات سے مزین عمارت ہے۔ بچیوں کی نگرانی اور ان کی تعلیم وتربیت کے لئے باصلاحیت عالمائیں مامور ہیں، یہ ادارہ بھی ندوۃ العلماء سے ملحق ہے۔ جس میں ندوہ ہی کے نصاب ونظام کے مطابق از درجہ پرائمری تا دورہ حدیث شریف کی تعلیم جاری ہے، ساتھ ہی کمپیوٹر اور دست کاری (سلائی، کڑھائی، امور خانہ داری) بھی سکھائی جاتی ہے۔

جامعہ کی مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ مخیّر حضرات سے اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ اور عطیات کی رقوم سے جامعہ کا تعاون فرمائیں۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

محمد عرفان ثاقب قاسمی

محلہ ابراہیم پورہ (آل کلاں) شاملی روڈ، کیرانہ ضلع شاملی۔ یوپی 247774

رابطہ نمبر 09319530768 / 8630449150

Tehqiqat-e-Islami

Post No. UP/MZN- 86/2015-17 RNI No: upurd/2011/42786
Kairana, Distt. Shamli (U.P) India
E-mail: tahqiqat-eislamia@yahoo.com
Website: www.jamiakairana.com
www.shariyahacademy.com , academy2016web@gmail.com

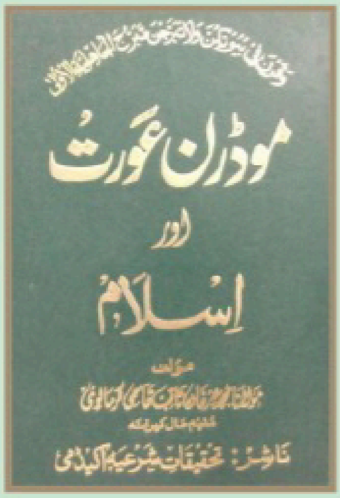

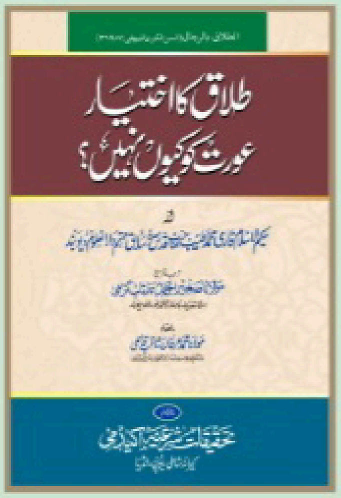

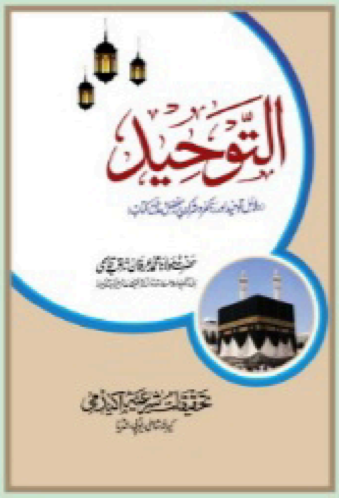

JAMIATUS SA'ADAH

Moh.Ibrahim Pura, (Aal Kalan) Shamli Road,
Kairana, Distt. Shamli U.P Pin: 247774
Mob: 09359602830, 09319530768